اقبال اور ہسپانیہ

مقالہ

برائے امتحان ایم اے اردو ۱۹۶۹ء

نگران
ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی
استاد شعبۂ اردو
یونیورسٹی اورینٹل کالج۔ لاہور

مقالہ نگار
مظفر حسین وڑائچ
•
طالب علم ایم اے اردو

مقالہ ہذا کی منظوری یونیورسٹی مراسلہ نمبر . . . . لی گئی۔

پیش لفظ

مجھے ہسپانیہ کی تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی ہے اور یہی اس موضوع کے انتخاب کا سبب ہے ۔

اقبال کا ہسپانیہ سے جو ذہنی وجذباتی تعلق تھا ۔ اس کا پوری طرح سے اندازہ لگانا بہت مشکل ہے اور اس سلسلے میں یہ مقالہ محض ایک طالب علمانہ کوشش سے زیادہ اورکوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں اپنے نگران مقالہ جناب ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی صاحب کا شکریہ ادا کرسکوں جنہوں نے ہر ممکن طریق سے مقالہ کی ترتیب اور تکمیل میں میری مدد فرمائی ۔

مظفر حسین ورائچ

۱۲ر نومبر ۱۹۶۹ء

"منیر"

فہرس

پہلا باب : ہسپانیہ سے اقبال کی دلچسپی کے اسباب ۱

دُوسرا باب : ہسپانیہ کی ثقافتی عظمت ۱۵

تیسرا باب : اقبال کا سفرِ ہسپانیہ ۶۵

چوتھا باب : اقبال اور ہسپانوی شخصیات ۹۱

پانچواں باب : مسجد قرطبہ ۱۳۰

پہلا باب

ہسپانیہ سے اقبال کی دلچسپی کے اسباب

پہلا باب

ہسپانیہ سے اقبال کی دلچسپی کے اسباب

ہسپانیہ پر مسلمانوں نے تقریباً ساڑھے سات سو سال حکومت کی ۔ یہ دور حکومت تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے اس قدر شاندار تھا کہ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے ۔ عیسائی مصنفین نے اس سنہرے دور کو تاریخ سے مٹانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے اور آج ہسپانیہ کے اکثر بڑے لکھے اور غیر متعصب عیسائی مسلم دور کو ہسپانیہ کا روشن ترین زمانہ کہتے ہیں ۔

عربوں کے بارے میں مشہور تھا کہ جہاں ان کے قدم پہنچے وہاں پوری طرح جم گئے لیکن ہسپانیہ میں ایسا نہ ہو سکا ۔ ۶۰۹ھ تک عربوں کو ہسپانیہ سے بالکل نکال دیا گیا ان کے اخراج کے بعد اندلس کا تہذیبی زوال اس قدر جلدی ہوا کہ کسی تاریخ میں اس کی مثالیں بھی کم ملتی ہیں ۔ کارخانے بند ہو گئے ۔ زرعی پیداوار بہت گھٹ گئی ۔ تجارت بھی دوسری قوموں کے ہاتھ چلی گئی اور بحری قوت بھی ختم ہو گئی ۔ شہر ویران ہونے شروع ہو گئے ۔ میڈرڈ کی مردم شماری جو چار لاکھ تھی صرف دو لاکھ رہ گئی ۔ اشبیلیہ میں جہاں سولہ سو کارخانے تھے صرف تین سو رہ گئے ۔ مختصر کہ یہ رفتہ رفتہ ہسپانیہ سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے تباہ ہو گیا اور ساتھ ہی مسلم تہذیب و ثقافت کے نقش و نگار بھی مٹ گئے یہ وہ تہذیب تھی جس کے بارے میں جرمنی کا مشہور فلسفی شاعر نطشے کہتا ہے :

" ایک ایسی تہذیب غارت کر دی گئی جس کے مقابل میں ہماری انیسویں صدی بھی بہت زیادہ ناقص ، محتاج اور خزاں رسیدہ معلوم

ہوتی ہے ۔ [1]

اقبال ایسے دور میں پیدا ہوئے جب عالم اسلام کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا ڈیڑھ سو سال سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام پر پے در پے مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں ۔ حال کی اس بے پناہ تیرگی میں اقبال نے ملت اسلامیہ کے تابناک ماضی کو مشعل راہ بنایا اور اسلاف کے کارناموں کی یاد دلا کر قوم میں ایک نئی روح پیدا کرنے کی کوشش کی ۔ اسی لحاظ سے ہسپانیہ کی تاریخی عظمت اقبال کی نگاہ توجہ کا مرکز بن گئی ۔ ہسپانیہ سے ان کی دلچسپی بڑھتے بڑھتے عقیدت و محبت کے مقام تک پہنچ گئی چنانچہ مولانا صلاح الدین احمد نے ہسپانیہ کو اقبال کی آخری محبوبہ کہا ہے ۔

ہسپانیہ کی تہذیبی عظمت کی درخشاں روایات اور زوال ہسپانیہ کا المیہ نہ صرف عرب شعراء کا محبوب موضوع بنا رہا بلکہ تقریباً ہر مسلمان ملک کے مختلف شعراء نے ہسپانیہ کی داستان کو اپنے خون جگر سے لکھا ہے ۔ قرطبہ کے عروج و فروغ کے زمانے میں ابو اسحاق بن خفاجۃ اندلس کی خوش حالی پر یوں زمزمہ سنج تھا :

یا اهل اندلس للہ درکم ماء و ظلّ و انهار و اشجار

ما جنّۃ الخلد الّا فی دیارکم وھذہ کنت لو خیّرت اختار

لا تختشوا بعد ذا ان تدخلوا سقرا فلیس تدخل بعد الجنّۃ النّار

ترجمہ : اے اندلس والو ، سبحان اللہ ، تمہاری کیا بات ہے !

پانی ہے ، سایہ ہے نہریں ہیں اور درخت ہیں

جنّت الخلد اگر کہیں ہے تو تمہارے ملک میں ہے

---

[1] " روح اسلام " (اقبال کی نظر میں) مصنفہ ڈاکٹر غلام عمر خان ص ۱۹

اور اگر مجھے اختیار دیا جائے تو میں اسی کو پسند کروں گا

تم کو تو یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دوزخ کا کوئی ڈر نہیں ہونا چاہئیے

اس لئے کہ جنت سے نکال کر کسی کو دوزخ میں نہیں داخل کیا جاتا [1]

لیکن عظیم الشان الزاھــراء کی تکمیل کے بعد پچاس سال کے اندر اندر ۳۹۹ ھ میں بغـاوت اور فتنہ و فساد کی ایسی آگ بھڑکی کہ " زھـراء " کا پھول مرجھا گیا بلکہ الزاھـراہ بھی جسے الزاھراء کے مقابلے میں المنصور بن ابی عـامر نے ۳۷۰ ھ میں تعمیر کرایا تھا ۔ کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا ۔ قـرطبہ کا سہاگ اجڑ گیا ۔ خلافت کی جگہ طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا عرصۂ دراز تک شعراء قرطبہ کے مرثیے کہتے رہے ۔ یہاں حضرت محی الدین ابن عربی کے کچھ اشعار کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جو مدینۃ الزاھـراء کی ویرانی سے متاثـر ہو کر کہے گئے تھے :

" تفریح گاہوں کے آس پاس کچھ گھر میں جو صاف نظـر آتے ہیں

اس حال میں کہ ان میں کوئی رہنے والا نہیں ہے اور وہ ویران ہیں

ہر طرف سے پرندے ان پر نوحہ کرتے ہیں

کبھی خاموش ہو جاتے ہیں اور کبھی اپنی آوازوں کی گونج بلند کرتے ہیں

انہیں میں سے ایک نغمہ زن پرندے سے میں مخاطب ہوا

اس کا دل غمناک تھا اور وہ سہما ہوا تھا

---

[1] اندلس ؛ تاریخ و ادب مرتبہ ڈاکٹر محمد یوسف کراچی ۱۹۶۹ء ص ۷

میں نے اس سے پوچھا تو کس چیز پر نوحہ اور شکوہ کر رہا ہے ؟

اس نے کہا : اس زمانے پر جو گزر گیا اور اب واپس نہیں آئے گا " [1]

قرطبہ کی تباہی پر سب سے زیادہ دردناک مرثیے غرناطہ کے شعراء نے لکھے ۔ غرناطہ کے شعراء و ادبا مثلاً ابن الخطیب وغیرہ کی نگارشات میں جہاں کہیں قرطبہ کا نام آتا اس کے ساتھ یہ ضرور لکھا جاتا کہ خدا اسے دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں لائے ۔ انہیں کیا خبر تھی کہ کچھ عرصے بعد غرناطہ بھی ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گا ۔ سقوط غرناطہ کے بعد جب مسلمان ہسپانیہ سے ہجرت کر کے الجزائر ، مراکش ، تیونس اور قسطنطنیہ وغیرہ میں آباد ہوئے تو ہسپانیہ کی تباہی و بربادی کی المناک داستانیں تمام عالم اسلام میں پھیل گئیں اور اسلامی تاریخ کے اس خونچکاں باب پر مختلف زبانوں اور مختلف زمانوں میں مرثیے اور نوحے لکھے گئے ۔ اردو کے قدیمی ادب یا کلاسیکی شاعری میں کہیں ہسپانیہ کا ذکر نہیں ملتا ۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب احیائے علوم اور قومی اصلاح کی تحریکیں شروع ہوئیں تو مسلمانوں میں از سر نو تاریخی شعور بھی بیدار ہوا اور انہوں نے مغربی مستشرقین کے اصول تحقیق سے آشنا ہو کر اپنے درخشاں ماضی کا تحقیقی مطالعہ شروع کیا ۔ علامہ شبلی نے تاریخ و سوانح کی کئی بلند پایہ کتابیں جدید اصول تحقیق کے مطابق مرتب کیں ۔ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کے متعلق مغربی محققین کی بعض کتابوں کے ترجمے ہوئے ۔ ان میں ہسپانیہ کے متعلق بھی بعض کتابیں تھیں ۔ ہسپانیہ سے مسلمانوں کے اخراج کا واقعہ ایسا نہ تھا جسے اردو کی قومی شاعری میں جگہ نہ ملتی ۔ مسدس حالی ہماری قومی شاعری کا

---

[1] اندلس ۔ تاریخ و ادب ۔ مرتبہ ڈاکٹر سید محمد یوسف صفحہ ۹۲ ۔ ۹۱

کا سرچشمہ ہے جب اسلام کے عروج و زوال کی داستان لکھی تو ہسپانیہ کا ذکر کچھ اس موثر پیرائے میں کیا کہ سب کے دلوں میں اس درخشاں عہد کی یاد تازہ ہوگئی ۔

هوا اندلس ان سے گلزار یکسر　　جہاں ان کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جاکر　　یہ ہے بہت حمرا کی گویا زبان پر
که تھے آل عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمین پر نشانی
ہویدا ہے غرناطہ سے شوکت ان کی　　عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت ان کی
بطلیوس کو یاد ہے عظمت ان کی　　ٹپکتی ہے قلدس سے حسرت ان کی
نصیب ان کا اشبیلیہ میں ہے سوتا
شب و روز ہے قرطبہ ان کو روتا
کوئی قرطبہ کے کھنڈر جاکے دیکھے　　مساجد کے محراب و در جاکے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جاکے دیکھے　　خلافت کو زیر و زبر جاکے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
که ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا [1]

حالی کے معاصرین میں سے بعض ہندوستانی مسلمانوں نے ہسپانیہ کی سیاحت بھی کی ۔ مثلاً نواب محمد عمر علی خان نے ۱۳۱۰ھ میں ہسپانیہ کے دورے کے بعد ایک سفرنامہ مرتب کرکے شائع کیا ۔ سفرنامے کے آخر میں ایک مرثیہ بھی ہے ۔ اشعار سے پہلے یہ پر درد عبارت بعنوان درج ہے :

---

[1] مسدس حالی طبع لاہور ۱۹۲۸ء ص ۲۸ ۔ ۲۹

" ھائے اندلس ھائے اندلس تیری یادمین ھمارے آنسو نہین تھمتے "

نواب موصوف نے مرثیہ گوئی کی کوشش ضرور کی ھے لیکن ان کے اشعار بالکل بے جان اور فنی لحاظ سے ناقص ھین لہذا یہان صرف مطلع درج کیا جاتا ھے ۔

اندلس پر تھا کبھی یہ فضل رب ذوالمنن

خوب آتی تھی اسے تہذیب و اخلاق حسن

مرثیہ کے خاتمے پر شعر مین یون نوحہ خوانی کی ھے :

" ھائے اسپین کی عمارت ۔ ھائے غرناطہ کے محل ۔ ھائے قرطبہ کی

مسجد الوداع ۔ الوداع ۔ الوداع "

ھسپانیہ کی ثقافتی عظمت اور اس کے تاریخی آثار سے اقبال کس حد تک متاثر ھوئے ، اس کا صحیح اندازہ تو بال جبریل کی ان نظمون سے ھوتا ھے جو سیاحت ھسپانیہ کے دوران مین یا اس کے بعد کہی گئین ۔ لیکن ھسپانیہ سے اقبال کی دلچسپی کا ثبوت ان کے ھر دور کے کلام سے ملتا ھے ۔ اقبال ابتدا ھی سے اسلامی تاریخی ، فلسفہ اور تصوف سے خاص شغف رکھتے تھے ۔ عربی زبان و ادب کے طالب علم کی حیثیت سے وہ ھسپانوی عربون کے علمی و ادبی کارنامون سے روشناس ھو چکے تھے ۔ اقبال کی شاعری کا آغاز اس دور مین ھوا جب انجمن حمایت اسلام لاھور کے جلسون مین حالی ، شبلی ، نذیر احمد اور ان کے معاصرین کی قومی نظمون کی پر جوش صدائین گونج رھی تھین ۔ چنانچہ اقبال بھی جو غزل کے میدان مین داغ کی شاگردی پر نازان تھے ، حالی کے ھم نوا ھوکر قومی مجالس کو نالۂ یتیم اور فریاد امت جیسی نظمون سے گرمانے لگے ۔ انجمن کے سترھوین سالانہ اجلاس منعقدہ

۲۳ فروری ۱۹۰۲ء میں اقبال نے ایک نظم بہ عنوان "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے" پڑھی تھی ۔ یہ نظم ترکیب بند کی صورت میں ہے ۔ اس کے دو بند کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں جن میں مسلمانوں کی علمی روایات کو زندہ کرنے کے لئے غرناطہ وبغداد کا ذکر کیا گیا ہے ۔

گوش بر آواز تھا مضروب کبھی جس کے لئے
وہ صدا پھر اس زمانے کو سنا سکتا ہوں میں
ناز تھا جس پر کبھی غرناطۂ بغداد کو
پھر وہی محفل زمانے کو دکھا سکتا ہوں میں
علم کا محبوب رونق بخش کاشانہ تو ہو
انجمن اپنی شال بزم جانانہ تو ہو
پھر سماں بندھ جائے گا غرناطہ وبغداد کا
پھر ذرا بھولا ہوا تازہ وہ فسانہ تو ہو
یادگار فاتحان ہند واندلس کے ہو تم
شان شاہانہ نہ ہو میری امیرانہ تو ہو [1]

ذہنی پختگی اور اسلامی تاریخ کے وسیع تر مطالعے کے ساتھ ساتھ ہسپانیہ سے ان کی دلچسپی بھی بڑھتی گئی ۔ ۱۹۰۵ء میں جب وہ انگلستان گئے تو وہاں انہیں اسلامی تاریخ اور ہسپانیہ کی عظیم تہذیب کے بارے میں مستشرقین کی محققانہ تصانیف سے استفادے کا موقع ملا ۔ اس مطالعے کا یہ اثر ہوا کہ تہذیب فرنگ سے مرعوب ہونے کے بجائے انہیں اپنا

---

[1] سرود رفتہ مرتبہ غلام رسول مہر ص ۔

ماضی اور بھی قابل فخر نظر آنے لگا ۔ یورپ پر مسلمانوں عربوں کے علمی احسانات کا ذکر کرتے ہوئے وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :

" اسلام مغربی تہذیب کے تمام عمدہ اصولوں کا سرچشمہ ہے ۔ پندرھویں صدی عیسوی میں جب سے یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا یورپ میں علم کا پرچا مسلمانوں ہی کی یونیورسٹیوں سے ہوا تھا ۔ ان یونیورسٹیوں میں یورپ کے مختلف ممالک کے طلبا آکر تعلیم حاصل کرتے اور پھر اپنے اپنے حلقے میں علوم و فنون کی اشاعت کرتے تھے ۔ کسی یورپین کا یہ کہنا کہ اسلام اور علوم یکجا نہیں ہو سکتے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے اور مجھے تعجب ہے کہ علوم اسلام اور تاریخ اسلام کے موجود ہونے کے باوجود کوئی شخص کیونکر کہہ سکتا ہے کہ علوم اور اسلام ایک جگہ نہیں ہو سکتے ۔ غرض یہ کہ وہ تمام اصول جن پر علوم جدیدہ کی بنیاد ہے مسلمانوں کے فیض کا نتیجہ ہیں بلکہ میرا دعوی ہے کہ نہ صرف علوم جدیدہ کے لحاظ سے بلکہ انسان کی زندگی کا کوئی پہلو اور اچھا پہلو ایسا نہیں ہے جس پر اسلام نے اپنا روح پرور اثر نہ ڈالا ہو " [1]

ایک اور جگہ اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" یورپ میں اسلام کا سیاسی زوال بد قسمتی سے ایسے وقت میں رونما ہوا جب مسلم حکماء کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگا تھا کہ استخراجی علوم لا معنی ہیں اور جب وہ استقرائی علوم کی تعمیر کی طرف کسی حد تک مائل ہو چکے تھے دنیائے اسلام میں تحریک ذہنی عملاً اس وقت سے مسدود ہوگئی اور یورپ نے

---

[1] مقالہ " اسلام اور علوم جدید " مشمولہ مقالات اقبال ۔ مرتبہ عبدالواحد معینی طبع اول ص ۳۴۹

مسلم حکماء کے غور و فکر کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونا شروع کیا ۔ یورپ میں (جذبۂ انسانیت) کی تحریک بڑی حد تک ان قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے بروئے کار آئیں ۔ یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں کہ جدید یورپین (جذبۂ انسانیت) کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیرں کہا جا سکتا ہے ۔ اس اہم حقیقت کا احساس نہ آج کل کے یورپین کو ہے اور نہ مسلمانوں کو کیونکہ مسلمان حکماء کے جو کارنامے محفوظ ہیں ۔ وہ ابھی تک یورپ ایشیاء اور افریقہ کے کتب خانوں میں منتشر اور غیر مطبوعہ شکل اور حالتوں میں ہیں ۔ آج کل کے مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایسا بڑی حد تک خود ان کے تمدن سے برآمد ہوا ہے ۔ وہ اسے بالکل غیر اسلامی تصوّر کرتے ہیں ۔ مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ آئن اسٹائین کے نظریہ سے کس قسم ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے سائنٹفک حلقوں میں سنجیدگی سے بحث و مباحثے ہوتے تھے .... تو آئن اسٹائن کا موجودہ نظریہ ان کو اتنا اجنبی معلوم ہو کہ اس کے علاوہ جدید استقرائی منطق اسے جو بیگانگی ہے وہ سب کچھ کم ہو جائے اگر اس کو یہ علم ہو کہ جدید منطق کا تمام نظام رازی کے ان مشہور و معروف اعتراضات سے وجود میں آیا جو انہوں نے ارسطو کے استخراجی منطق پر عائد کئے تھے ۔ اس قسم کے عالموں کا تیار کرنا از بس ضروری ہے کیونکہ جدید علم کے اخذ و جذب کرنے میں یہی لوگ مدد کر سکتے ہیں" [1]

---

۱ — فکر اقبال، مرتبہ [illegible] طبع ۱۹۵۶ء [illegible] ۹۲

اقبال نے ہسپانیہ کی تہذیبی عظمت کا ذکر نہایت موثر انداز میں کیا ہے :

ہے زمیں قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور

بجھ کے بزم ملت بیضا پریشان کر گئی اور دیا تہذیب حاضر کا فروزاں کر گئی

قبر اس تہذیب کی یہ سرزمین پاک ہے جس سے نام گلشن یورپ کی رنگ عناک ہے "

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہسپانیہ سے اقبال کی دلچسپی کا سب سے بڑا سبب عربوں کے وہ قابل فخر علمی اور ثقافتی کارنامے ہیں جن کی تفصیل اگلے باب میں پیش کی جائے گی

اقبال نے اپنے اس تاریخی رجحان کی توجیہہ ۱۹۱۲ء کی ایک نظم بہ عنوان " مسلم " میں کی ہے ۔ اس زمانے میں اقبال کے نقطۂ نظر میں ایک انقلابی تبدیلی رونما ہو چکی تھی ۔ سرسید اور حالی نے ہندوستانی مسلمانوں میں قومی شعور پیدا کیا لیکن ان کے فکر و نظر کا دائرہ صرف اس برعظیم ہندو پاک کے مسلمانوں کے مسائل تک محدود تھا ۔ بیسویں صدی کے اوائل میں وطنیت کے سیاسی تصور نے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مقبولیت حاصل کی ۔ اقبال بھی وطنیت کے نغمے الاپتے رہے لیکن سفر انگلستان سے واپسی (۱۹۰۸ء) کے بعد اقبال نے محدود جغرافیائی قومیت اور وطنیت کے مقابلے میں ملت کے آفاقی تصور کو اپنا مطمح نظر بنایا ۔ اب وہ تمام مسائل کو ملی نقطۂ نظر سے دیکھتے ۔ اور بین الملی اتحاد کا پیغام سنانے لگے ۔ اس دور کی متعدد نظمیں ۔ مثلاً صقلیہ ۔ بلاد اسلامیہ ۔ گورستان شاہی ۔ شکوہ ۔ جواب شکوہ ۔ خطاب بہ جوانان اسلام وغیرہ میں اقبال نے مسلمانوں کو اسلام کے شاندار ماضی کی یاد دلا کر ان کے ملی شعور کو بیدار کیا ہے ۔ مذکورہ بالا نظم " مسلم " بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ اس نظم میں پہلے شاعر ایک معتبر کی حیثیت سے خود اپنے اس رجحان پر نکتہ چینی کرتا ہے :

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے

سینۂ سوزاں ترا فریاد سے معمور ہے

گوش آواز سرود رفتہ کا جویا تیرا
اور دل ہنگامۂ حاضر سے ہے پروا تیرا
اے درائے کاروان خفتہ یا خاموش ہو
ہے بہت یاس آفرین تیری صدا خاموش ہو

پھر اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں اپنی ملت کے مستقبل سے ہرگز مایوس نہیں ۔ میں جانتا ہوں کہ یہ افسوس ناک حالات بہت جلد بدل جائیں گے اور میری ملت کے مقدر کا ستارا اسی آب و تاب سے چمکنے لگے گا جیسے ماضی میں چمکا تھا ۔ نظم کے آخری تین شعر ملاحظہ ہوں :

ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہد کہن رہتا ہوں میں
اہل محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے
سامنے رکھتا ہوں اس دور نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں [1]

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے نظریۂ تاریخ کی بھی قدرے وضاحت کر دی جائے ۔ اقبال نے اپنے اشعار میں کہیں کہیں کچھ ایسے اشارے کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تاریخ کو محض واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ اسے تخلیقی قوت قرار دیتے ہیں ۔ یہ ملت کے وجود میں اعصابی نظام کی سی حیثیت رکھتی ہے جس کے بغیر ملی وجود برقرار نہیں

---

[1] بانگ درا صفحہ ۲۱۶ ۔ ۲۱۷

رہ سکتا ۔ جس طرح ایک فرد کی خودی زندگی کے مختلف ادوار اور ہر آن بدلتے ہوئے احوال وکوائف کے باوجود حافظے کی بدولت اپنے وجود کے تسلسل کو قائم رکھتی ہے ۔ اسی طرح ملّی خودی بھی ماضی کی روایات کے تسلسل سے قائم رہتی ہے گویا تاریخ قوم وملت کا حافظہ ہے ۔ اگر ہم تاریخی رشتوں کو ہاتھ سے گنوا دیں اور ماضی کی روایات کا تسلسل ختم ہو جائے تو ہمارے ملی وجود کا شیرازہ منتشر ہوکر رہ جائے گا ۔ اقبال نے مثنوی رموز بےخودی میں اپنا یہ نظریہ بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔

چیست تاریخ اے ز خود بیگانہ   داستانے ، قصّۂ ، افسانۂ

این ترا از خویشتن آگہہ کنــــد   آشنائے کار و مرد رہ کنـــد

روح را سرمایۂ تاب است ایــن   جسم ملت را چو اعصاب است این

شمع او بخت اُمم را کوکب است   روشن از وے امشب وهم دی شب است

ضبط کن تاریخ را پاینده شو   از نفسہائے رمیده زنده شـــو

دوش را پیوند با امــروز کن   زندگی را مرغ دست آموز کــن

سر زند از ماضی تو حـــال تـــو   خیزد از حال تو استقبال تـــو

مشکن ار خواهی حیات لا زوال   رشتۂ ماضی و استقبال و حـــال [1]

یہ حاصل بحث یہ ہے کہ ہسپانیہ سے اقبال کی گہری دلچسپی کا سبب ان کا یہ نظریہ تھا کہ مسلمانوں کے ملی وجود کے بقا و استحکام کے لئے " استقبال و حال " کا رشتہ ماضی سے قائم رکھنا ضروری ہے ۔ تاریخ ماضی کے مختلف ادوار میں سے وہ بالخصوص عربوں کی تاریخ سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے ۔ تاریخ اسلامی کی ابتدائی چند صدیوں میں عربوں نے اپنے جوش کردار سے انتہائی

---

[1] مثنوی اسرار و رموز صفحہ ۷۳ ـ ۱۷۲

حیرت انگیز کارنامے سر انجام دئیے ۔ سب فاتحین اور مجاہدوں کی زندگی جذبۂ جہاد اور عمل پیہم کا نمونہ ہوتی تھی ۔ وہ جوع الارض کی تسکین کے لئیے نہیں بلکہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئیے جہاد کرتے تھے ۔ حکمرانی کو خلق اللہ کی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے ۔ ان کا طرز تمدن بہت سادہ تھا ۔ چنانچہ وہ جہاں کہیں بھی گئے تہذیب حجازی کی اسلامی اقدار کو اپنے ساتھ لے گئے اور جن ملکوں میں ان کی حکومت قائم ہوئی وہاں کی تہذیب میں حجازی رنگ کی جھلک نمایاں ہے ۔ صقلیہ اور ہسپانیہ کی تاریخ میں اقبال کے لئیے خاص کشش کا سبب یہی حجازی عنصر تھا ۔ ان کی نظم صقلیہ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار

وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی

بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن کے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے

بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

اک جہان تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور

کھا گئی عصر کہن کو جن کی تیغ ناصبور [1]

اسی طرح " مسجد قرطبہ " میں انہوں نے ہسپانوی عربوں کے مجاہدانہ کردار کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ۔

آہ وہ مردان حق ۔ وہ عربی شہسوار

حامل " خلق عظیم " صاحب صدق و یقین

---

[1] بانگ درا صفحہ ۱۲۱

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب

سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

غرضیکہ ہسپانیہ کی سرزمین اور اس کی درخشاں تاریخ سے ان کی دلچسپی کا ایک سبب یہ "رنگ حجاز" ہے جو آج بھی اس کی فضاؤں میں محسوس ہوتا ہے۔

دُوسرا باب

ہسپانیہ کی ثقافتی عظمت

مسلمانون کا ہسپانیہ موجودہ یورپ کے تین ملکون کے وسیع علاقے پر مشتمل تھا جس مین پورا سپین وپرتگال اور فرانس کے جنوبی صوبے شامل تھے۔ ہسپانیہ کی حدود مین کمی بیشی ہوتی رہتی تھی اس لئے کوئی مستقل پیمائش نہ تھی ۔ بقول شریف ادریس (ہسپانوی جغرافیہ دان) خلافت اموی کے وقت ہسپانیہ کا طول گیارہ سو میل اور عرض چھ سو میل تھا[1] ۹۳ھ/ ۷۱۱ء مین مسلمان طارق بن زیاد کی سرکردگی مین ہسپانیہ مین داخل ہوئے اور اس کا بیشتر علاقہ فتح کر لیا ۔ ایک سال بعد موسی بن نصیر بھی مزید فوج لے کر ہسپانیہ آگیا اور پھر دونون جرنیلون نے مل کر سارا اسپین ، پرتگال اور جنوبی فرانس کے کچھ حصے بھی فتح قبضے مین لے لئے ۔ اسی اثنا مین دربار خلافت سے موسیٰ کی واپسی کے احکام جاری ہوگئے اور موسی بن نصیر کو مجبوراً واپس جانا پڑا ورنہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ فرانس کے راستے جرمنی ، اٹلی ، یونان پر یلغار کرتا ہوا قسطنطنیہ جا پہنچے ۔

موسیٰ نے اپنا جانشین اپنے بیٹے عبدالعزیز کو مقرر کیا ۔ ۷۱۳ء سے لے کر ۷۵۶ء تک ہسپانیہ مین تقریباً چوبیس حکمران گزرے ۔ اس دور کو " دور ولایت " کہتے ہین کیونکہ والی اندلس افریقہ کے حکمران کے ماتحت تھا اور والی افریقہ خلیفۂ دمشق کے ۔ اس نصف صدی مین مسلمانون نے ہسپانیہ مین ایک ایسے درخشان اور شاندار تمدن کی بنیاد ڈالی جس کے متعلق اسکاٹ لکھتے ہین :

[1] بحوالہ " مسلمان یورپ مین " تالیف محمد احسان الحق سلیمانی طبع ۱۹۵۲ء ص ۱۸

" اندلس ۔ زیر حکومت اسلامی ۔ پچاس سال کے اندر تہذیب کے اس نقطہ پر پہنچ گیا کہ جہاں تک اٹلی کو زیر حکومت پوپ پہنچنے میں ایک ہزار برس لگے تھے " [1]

دوسرا دور وہ عہد زریں ہے جو اموی دور حکومت کہلاتا ہے ۔ اس خاندان کے عہد میں ہسپانیہ اپنی شان و شوکت ۔ جاہ و جلال ۔ تہذیب و تمدن ۔ علوم و فنون کے نقطۂ عروج پر پہنچا ۔ یہ دور (۷۵۶ء) یعنی عبدالرحمن الداخل کے عہد سے شروع ہوا ۔ ابتدائی سات حکمران ۔ امیر کے لقب سے پکارے جاتے تھے ۔ عبدالرحمن ثالث نے خلیفہ کا لقب اختیار کرلیا ۔ اس کے بعد ہر بادشاہ خلیفہ ہی کے لقب سے پکارا جاتا رہا ۔ عبدالرحمن ثالث کا دور حکومت پچاس سال ہے اور یہی دور تھا جب ہسپانیہ یورپ کا سب سے زیادہ دولت مند اور طاقت ور ملک تھا ۔ عبدالرحمن کے بعد اس خاندان کو آہستہ آہستہ زوال آتا گیا اور ۱۰۲۰ء میں اموی خاندان کی خلافت ختم ہوگئی ۔ اموی خاندان کے بعد ہسپانیہ میں تقریباً بیس خاندانوں نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کرلیں اور ایک زمانے میں تو ملک میں چار خلیفۃالمسلمین بھی تھے ۔ اس دور کو ملوک الطوائف کہتے ہیں ۔ اگرچہ ملوک الطوائف دور میں مسلمانوں کی سیاسی قوت ختم ہوگئی تھی لیکن اس گئے گزرے زمانے میں بھی تہذیبی اور علمی فروغ کا سلسلہ جاری رہا ۔ قرطبہ کی سیاسی اور تہذیبی مرکزیت ختم ہونے کے بعد اشبیلیہ کو عروج ہوا اور وہ ہسپانیہ کی تاریخ کا مرکز اور محور بن گیا ۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کی مرکزی طاقت کا شیرازہ بکھرنے پر اطمینان کا سانس لیا اور ۱۰۸۵ء میں عیسائیوں نے طلیطلہ فتح کرلیا اور اب وہ اتنے طاقت ور ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکال سکتے تھے اسی اثنا میں یوسف بن تاشفین ہسپانوی بادشاہوں کی

---

[1] اخبار الاندلس جلد اوّل مصنف اسکاٹ ترجمہ خلیل الرحمن طبع ۱۹۲۹ء ص ۳۲

درخواست پر افریقہ سے ایک لشکر لیکر ہسپانیہ آگیا ۔ اس نے عیسائیون کو زلاقہ کے میدان مین زبردست شکست دی اور پھر تھوڑے عرصے بعد ہسپانیہ کو مرابطین نے براہ راست اپنے قبضے مین لے لیا ۔ افریقہ پر قبضے کے بعد مواحدین نے مرابطین سے ہسپانیہ کی حکومت بھی چھین لی ۔ اس خاندان کے عہد مین فلسفہ کو بہت ترقی ہوئی اور ابن طفیل ابن رشد اسی عہد کے ممتاز فلاسفہ مین سے تھے ۔ خاندان مواحدین کے بادشاہ محمد الناصر نے الفانسو ہشتم سے ۱۲۱۲ء مین زبردست شکست کھائی اور اس کے ساتھ ہی اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا ۔

۱۲۱۲ء سے لے کر ۱۲۵۲ء تک کا زمانہ ہسپانیہ مین عیسائی بادشاہون کی پیش قدمی کا زمانہ ہے ۔ ۱۲۳۶ء مین قرطبہ نے ہتھیار ڈال دئیے اور ۱۲۴۸ء مین اشبیلیہ بھی عیسائیون کے قبضے مین چلا گیا ۔

اب ہسپانیہ مین مسلمانون کی آخری پناہ گاہ غرناطہ تھا ۔ لاکھون مسلمانون نے عیسائیون کے مقبوضہ علاقے سے غرناطہ مین آکر سکونت اختیار کرلی ۔ غرناطہ پر بنی نصر خاندان کی حکومت تقریباً ڈھائی سو برس تک رہی ۔ الحمرا کا مشہور عالم قصر اسی خاندان نے تیار کرایا ۔

۲ جنوری ۱۴۹۲ء کو عیسائیون نے غرناطہ پر ایک سال کے محاصرے کے بعد قبضہ کرلیا اور عیسائیون کی مہم " فتح مکرر " تقریباً ساڑھے سات سو سال بعد مکمل ہوگئی ۔

مسلمان ہسپانیہ مین کس مپرسی کی زندگی گزارنے لگے ۔ ۱۴۹۹ء مین فرڈی ننڈ نے حکم دیا کہ مسلمان یا تو عیسائی ہوجائین یا ہسپانیہ سے نکل جائین لیکن بادشاہ کے حکم پر زیادہ سختی کے ساتھ عمل نہ ہوا ۔ بہت سے مسلمان کسی نہ کسی طرح اس ملک پرتشدد سختیون مین زندگی گزار رہے تھے ۔ یہان تک ۱۵۲۶ء مین محکمہ تفتیش مذہبی کے حکم

سے ہزاروں مسلمان آگ میں جلا دئیے گئے۔ ۵۵٦ اء میں فلپ دوم نے ایک نیا قانون جاری کیا کہ مسلمان اپنی زبان ، عبادت ، عقائید اورمخصوص طرز زندگی سے فوراً دست کش ہوجائیں اس کے ساتھ ہی اس نے یہ حکم بھی دیاکہ اسپین کے سارے غسل خانے ڈھا دئیے جائیں ۔ اس کا رد عمل یہ ہوا کہ غرناطہ کے مسلمانوں نے بغاوت کر دی لیکن یہ بغاوت جلد ہی فرو کر دی گئی ۔ پھر ٦۰۹ اء میں بادشاہ فلپ سوم نے مسلمانوں کو اسپین سے خارج کرنے کے متعلق آخری حکم نامے پر دستخط کردئیے اوراس کے تھوڑے عرصے بعد ایک مسلمان بھی ہسپانیہ میں نہ رہا ۔

ہسپانیہ عربوں کےلئے بہشت بریں تھا ۔ اسی کے متعلق ابن سفر کہتا ہے

فی ارض اندلس تلتذ نعمـــاء

ولا یفارق فیها القلب ســـــــداء

انهـــارهـــا فضة والمسك تربتهـــا

والخذ روضتها والمسك تربتهـــا

فیهـــا خلقت عـذاری ما بهـــا عوض

فهی الریاض وكل الارض صحـــــراء

ترجمہ : اندلس وہی (وادی جنت نظیر ہے) جہاں نعمتوں کی افراط ہے اور دل ہمیشہ ہی مسرتوں سے ہمکنار رہتا ہے۔

اس کی نہریں سیمیں ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے اس کے باغات ابریسم ہیں اور یہاں کی کنکریاں موتی ہیں ۔

یہاں کی دوشیزائیں حسن وجمال میں بے مثال ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نکوہ زمین باغ جہاں ہے اوردنیاکے باقی حصے اس کے مقابلہ میں بنجر ہیں [1]

[1] مسلمان یورپ میں تالیف احسان الحق سلیمانی طبع ۹۵۲ اء ص ۱۳

ہسپانیہ میں مسلمانوں نے ایک شاندار اور اعلیٰ تہذیب وثقافت کو پروان چڑھایا ۔ اس تہذیب وتمدن کو مشرقیت اور مغربیت کے امتزاج نے ایک نئی جلا بخشی اور اس کی بدولت ایک عجیب وغریب تمدن دنیا کے سامنے آیا جس نے نہ صرف مسلمانوں سے بلکہ اپنے دشمنوں سے بھی خراج تحسین حاصل کیا ۔

ہسپانیہ میں اموی حکومت کا نظام حکومت تقریباً وہی تھا جو دمشق کی اموی حکومت کا تھا ۔ بادشاہ یا خلیفہ مذہبی ، سیاسی ، معاشرتی اور فوجی امور کا مالک تھا ۔ سلطنت کا کاروبار چار حصّوں میں منقسم تھا ۔ ۱ ۔ خزانہ ۲ ۔ امور خارجہ ۳ ۔ عدالت اور ۴ ۔ فوج ۔ ان چاروں محکموں کے لئے علیحدہ علیحدہ وزیر ہوتا تھا اور ان سب پر ایک وزیر اعظم جسے حاجب کے نام سے پکارتے تھے ۔

ہسپانیہ میں عدالت کا نظام سب سے بہتر تھا اور میرے خیال میں خلافت راشدہ کے بعد اسلامی قانون عدل کا صحیح نفاذ جتنا ہسپانیہ میں ہوا اتنا کسی اور جگہ نہ ہو سکا ۔ ہر شہر میں ایک عدالت ہوتی تھی ۔ اس عدالت کی سربراہی " قاضی الجمع " کرتا اور ملک کی سب عدالتوں پر جو قاضی ہوتا تھا وہ " قاضی القضات " کہلاتا تھا ۔ تمام قاضی اس کے ماتحت تھے اور اس کی عدالت میں اپیل ہو سکتی تھی ۔ آخری مقام فیصلہ بادشاہ کی بارگاہ تھا ۔ عدالتوں میں شریعت کے تحت اور ملک کے وضع کردہ قوانین کے تحت فیصلے ہوتے ۔ غیر مسلموں کے لئے علیحدہ عدالتیں تھیں ۔ ان کے مقدمات انہیں کے مذہب و قانون کے مطابق طے کئے جاتے ۔ صرف ان مقدمات میں ان کو قاضی کے سامنے پیش ہونا پڑتا جب فریق ثانی مسلمان ہو ۔ خفیہ طور پر بھی معاملہ کی تحقیق کی جاتی تھی

ہسپانیہ میں بعض ایسے بھی قاضی القضات تھے جنھوں نے بادشاہ وقت کو بھی اپنی عدالت میں بلایا اور کسی قسم کی رورعایت کے بغیر فیصلے کئے ۔ ان میں یحییٰ بن

یحیٰی منذر بن سعید، محمد بن بشیر کے نام قابل ذکر ہیں ۔

پولیس کے محکمے کا نظام موجودہ عہد کے مماثل تھا۔ ہر شہر میں پولیس کا افسر ہوتا تھا۔ جسے صاحب الشرط کہتے تھے۔ اس کے ماتحت صاحب المدینہ اور صاحب اللیل ہوتے تھے ۔ امن عامہ کا قیام اور جرائم کا انسداد پولیس کے فرائض میں شامل تھا ۔ ڈاک کے محکمے نے ہسپانیہ میں بہت ترقی کی اور ایک جگہ کے خطوط نہایت آسانی اور حفاظت کے ساتھ دوسری جگہ پہنچتے تھے ۔ مختلف علاقوں کی خبریں اتنی سرعت سے بادشاہ وقت تک پہنچ جاتی تھیں کہ عیسائی کہتے تھے کہ بادشاہ کے پاس " جن " ہیں ۔

ابتداء میں فوج مختلف قبائل کی شکل میں تھی لیکن عبدالرحمن الداخل نے اس کو باقاعدہ منظم کیا ۔ اور مستقل سپاہیوں کی بھرتی سے ایک زبردست فوج وجود میں آئی ۔ جس نے ایک طویل عرصے تک سلطنت کو بیرونی حملہ آوروں سے بچائے رکھا ۔

ہسپانیہ میں تمدنی ترقی عبدالرحمن الداخل کے عہد سے شروع ہوئی ۔ عبدالرحمن نے ملک میں نئی نئی صنعتیں جاری کیں ۔ جس سے تجارت کو ترقی ہوئی اور لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوا ۔ مسجد قرطبہ کی تعمیر شروع کی اور شہر قرطبہ میں قصر رصافہ بنوایا جس کے باغ میں دور دراز سے پودے منگوا کر کاشت کئے ۔ زراعت کی طرف خاص توجہ کی ۔ اس کے علاوہ عبدالرحمن الداخل کی تمدنی خدمات میں یہ خدمت بھی بڑی ممتاز ہے کہ اس نے قرطبہ کے طول و عرض میں میٹھے صاف و پاک پانی کی بہم رسانی کے مستقل اور عمدہ انتظامات کئے۔ تالاب بنوائے اور پھر ان کے ذریعے سے تمام شہر کو پانی مہیا کیا گیا۔ عبدالرحمن نے بہت سے نئے مدرسے اور مکتب کھولے ۔ علماء فضلاء کی سرپرستی کی ۔ شعراء کو نوازا ۔ طلبا اور اساتذہ کو وظائف دئیے۔

ہشام نے بر سر اقتدار آتے ہی شاہی خزانے کو بیت المال کی حیثیت دے دی تھی ۔جس پر سب کا حق ویسا ہی تھاجیسا اس کا تھا ۔ وہ خود کو اس خزانہ پر عوام کا امین سمجھتا ۔ اس نے یتیموں اور مستحق لوگوں کی تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں ۔آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی بہت کم فلاحی ریاستیں ہونگی جہاں یتیموں اور معذوروں کے وظائف مقرر ہوں ۔ یہ تنخواہیں عوام کو مہینہ کے شروع میں بڑی پابندی سے مل جاتیں اس کے زمانہ میں عوام نہ صرف خوشحال بلکہ ہر طرح کے ظلم و زیادتی سے محفوظ ہوگئے ۔ گو اس کی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع تھا مگر اس نے کچھ اس طرح نظم و نسق قائم کر رکھا تھاکہ کیامجال کسی دور دراز جگہ کا عامل رعایا کے کسی فرد پر زیادتی کر جائے ۔ ہر عامل کی خفیہ طور پر نگرانی کی جاتی تھی ۔

ہشام کی نیک دلی پارسائی اور فرض شناسی کا شہرہ سارے عالم میں پھیل گیا تھا ۔خصوصاً تمام عالم اسلام کے علماء اس کے طریق کار سے بے حد متاثر تھے ۔ یہاں تک کہ حضرت امام مالک بن انس نے تو ایک موقع پر یہ خواہش ظاہر کی کہ اے کاش ! اس سال کا حج اس نیک نہاد امیر کی قیادت میں انجام پاتا ۔ ان کا مطلب یہ تھاکہ عالم اسلام میں صرف ہشام ہی صحیح مسلمان بادشاہ تھا ۔

9881

عبدالرحمن ثانی نے اسلامی تہذیب کو اور زیادہ ترقی دی ۔ اس دور جمہوری میں جب کہ زمانہ نے بڑی ترقی کرلی ہے سلطنت کے کاروبار کو بہتر طریق پر چلانے کا طریقہ یہ ایجاد ہوا ہے کہ شخصی فرمانروائی کی جگہ چند داناؤں پر مشتمل ایک وزارت کاروبار سلطنت کو انجام دیتی ہے ۔ عبدالرحمن ثانی نے اس دور میں جب یورپ جہالت اور بربریت کے ایک خوفناک دھندلکے میں ڈوبا ہوا تھا ۔ عوام کی فلاح و بہبود کا کام ہمسایہ کے چند بہترین دماغوں کے سپرد کر رکھا تھا ۔ اس کے وزراء میں عبدالکریم بن حسن یوسف

بن بخت عبداللہ بن الیہ ۔ عبدالرحمن بن رستم اور محمد بن مسلم زیادہ مختار تھے ۔ اس دور میں اسلامی تہذیب و ترقی نے خوب نشوونما پائی ۔ علوم نے ترقی کی ۔ لاتعداد مدرسے کھلے ۔ سڑکیں اور پل تعمیر ہوئے ۔ باغات بنے ۔ زراعت و باغبانی نے ترقی کی اور اندلس کے عوام اس درجہ خوشحال ہوگئے کہ انہیں اس سے پہلے اتنی خوشحالی کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی ۔

اس کے دور میں موسیقی کو بہت ترقی ہوئی اس دور کا سب سے بڑا فن کار زریاب تھا ۔ ہٹی کہتا ہے

" عبدالرحمن ثانی کی حکومت کے آخری دنوں میں زبان ۔ ادب ۔ مذہب اور دوسرے اسلامی تہذیبی رجحانات یہاں تک کہ حرم کی زندگی نے اس قدر عروج پایا کہ اندلس کے بہت سے عیسائی ایک طرح سے عرب بن گئے ۔ ان کی زندگی بھی عربی رنگ میں رنگی ہوئی گو وہ مسلمان نہیں ہوئے لیکن عربوں کی زبان ادب ۔ مذہب اور دوسرے تہذیبی رجحانات نے انہیں عرب بنا دیا ۔ عرب تہذیب کی غیر معمولی ترقی و عروج سے ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں اور انہیں فن ۔ شاعری ۔ فلسفہ اور سائنس کے بارے میں اپنی کم مائیگی کا خوب احساس ہوگیا تھا " [1]

عبدالرحمن ثالث کے زمانہ میں اسلامی تہذیب و تمدن اپنے عروج پر پہنچ گیا ۔ اس نے پورے پچاس سال حکومت کی اردگرد کی تمام عیسائی ریاستیں اس کی باج گزار تھیں ایک طویل حکومت ۔ اندرونی امن اور بیرونی حملوں سے بچاؤ کی بنا پر اعلیٰ اور شاندار ثقافت کو پنپنے کا موقعہ ملتا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی ثقافت اور کوئی تہذیب اس وقت تک آگے

[1] عرب اور اسلام مصنفہ ہٹی ترجمہ مبارزالدین طبع ۱۹۵۱ء ص ۲۱۳

نہیں بڑھتی جب تک وہ سیاسی تحفظ نہ رکھتی ہو۔ ہمارے نزدیک عبدالرحمن الناصر نے

البیرونی دشمنوں کو کچلنے کے لئے جو جدوجہد کی وہ بھی اسی طرح سے تہذیبی جدوجہد تھی

عبدالرحمن الناصر ہسپانیہ کے اموی خاندان میں پہلا فرمانروا ہے جس نے اپنے خاندان

کی امارت کو خلافت میں تبدیل کیا ۔ عبدالرحمن اپنے دور کا سب سے بڑا بادشاہ مانا گیا ۔

اس کی فوج دنیا کی سب سے بڑی فوج تھی اور اس کا بحری بیڑہ اپنی مثال آپ تھا ۔ پچاس

ہزار سپاہی ساحلوں پر موجود رہتے تھے اور دنیا کی کوئی قوت ایسی نہ تھی جو اس اموی تاجدار

سے آنکھ ملا سکتی ۔ اس کے بحری بیڑے کے سبب نہ صرف ہسپانیہ کی سرحدیں محفوظ ہوئیں

بلکہ اس کے بحری جہاز تمام دنیا کے مابین تجارتی تعلقات قائم کرنے کا سبب بنے ۔ اندلسی

جہازوں کے سوا کوئی دوسرا جہاز ایسا نہ تھا جس پر سوار ہوکر دنیا بھر کے تاجر اپنے سامان

تجارت کو ادھر ادھر لے جا سکتے تھے [1]

عبدالرحمن الناصر کا دربار شان و شوکت کے اعتبار سے اس وقت کی دنیا کے بادشاہوں کے

درباروں میں سب سے ممتاز تھا ۔ دنیا بھر کے بادشاہوں نے عبدالرحمن کے دربار میں سفارتیں

بھیجیں جن میں بیزنطینی شہنشاہ ، شاہ جرمنی اور شاہ فرانس کی سفارتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں

عبدالرحمن الناصر نے کسانوں ، کاشت کاروں اور مزارعین کو غیر معمولی سہولتیں دیں اس نے

باغات کے لئے انعامات مقرر کئے ۔ اچھی پیداوار پر تمغے دئیے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہسپانیہ

کا چپہ چپہ آباد ہوگیا ۔ قرطبہ ، مرسیہ ، لبلہ ، اشبیلیہ ، ماروہ ، سرقسطہ ، طلیطلہ ، استجہ

اور بلنسیہ کے مضافات تو سر سبزی اور شادابی میں اپنی مثال آپ تھے ۔ چالیس چالیس میل

تک گلاب کے درخت سڑکوں کے دونوں طرف لگے تھے [1] انگور ——

---

[1] ابن خلدون جز ۴ ص ۱۲۲/۷

اور سنگستروں کے باغات کا تو کوئی حساب نہ تھا۔ دریائے وادی الکبیر کے دونوں کنارے تیس تیس میل تک خوشنما باغات سے مالا مال تھے۔ دونوں کناروں پر اس قدر رقبہ میں عالیشان بنگلے بھی بنے تھے [1] ہر باغ اور ہر مکان میں سرکاری طور پر نہر جاری کی گئی تھی۔

عبدالرحمن الناصر کے عہد حکومت میں تین سو بلدیات تھیں۔ جنہیں شہری نظم و نسق کے تمام اختیارات حاصل تھے۔ وہ اپنے اپنے شہروں کے انتظامات خود کرتیں۔ عبدالرحمن الناصر کے دور میں ہسپانیہ کی آباد کاری کا جو عالم تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف وادی الکبیر کے کنارے بارہ ہزار دیہات بنے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق سارے ملک کی آبادی ساڑھے تین کروڑ سے زیادہ تھی۔ قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، بلنسیہ، طلیطلہ بڑے شہر تھے۔ قرطبہ کی آبادی دس لاکھ، اشبیلیہ کی پانچ لاکھ، المریا کی تین لاکھ اور ملاغہ کی دو لاکھ تھی۔ تمام سڑکیں پختہ اور گلیوں میں فرش تھا۔ تمام شہروں کی نالیاں اور نالے ڈھکے ہوئے تھے۔ ڈھکے ہوئے نالے اندر سے اتنے بڑے تھے کہ ان کے نیچے سے بیل گاڑیاں گزر جاتیں۔ عام زمین دوز نالیاں ایسی ہوتیں کہ کندھے اور خچر آسانی سے آمد و رفت رکھ سکتے تھے [2]۔

مقری اور ابن عذاری کہتے ہیں کہ عبدالرحمن کے دور میں باقاعدہ سپاہ ڈیڑھ لاکھ تھی۔ بارہ ہزار محافظ فوج تھی جو بادشاہ کے محل کی حفاظت کرتی۔ ملک بھر میں کوئی کاریگر یا فنکار ایسا نہ تھا جو بیکار رہنے پر مجبور ہو۔ پورے ہسپانیہ میں بے کاری نام کو نہ تھی۔ ہر قصبہ اور شہر میں مہمان خانے اور اسپتال بنے تھے۔ اپاہجوں، لنگڑوں اور

---

[1] ابن خلدون جز ۴ ص ۱۲۲ ـ ۱۲۳

[2] مسلمان اندلس میں" مقری جز اول ص ۲۵۵ ـ ۲۵۶

لولون کو سرکاری خزانہ سے باقاعدہ تنخواہین دی جاتین جیسے ہی کوئی بیوہ ہوتی یا یتیم ہوتا سرکاری عمال ان کا نام سرکاری تنخواہ پانے والون مین لکھ لیتے ۔ صرف قرطبہ ہی مین ایسے کئی سو ادارے تھے جو یتیم بچون کو تعلیم دینے کے لئے قائم تھے ۔ عبدالرحمن کے زمانہ مین ایک ایسا محکمہ بھی تھا جو جانورون پر ظلم ہونے سے روکتا تھا ۔

قرطبہ عبدالرحمن الثالث کے زمانہ مین دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا ۔ اس کے خزانہ مین تیس لاکھ دینار ہر سال جمع ہوتے ۔ ایک لاکھ تیرہ ہزار اعلی درجے کے مکانات تھے ۔ اسی ہزار چار سو دکانین سات سو مسجدین چار ہزار تین سو گودام نو حمام شہر چوبیس میل لمبا اور چھ میل چوڑا تھا ۔ پورے کا پورا وادی الکبیر کے کنارے آباد تھا [1] شہر مین ستر لائبریریان اور کئی ہزار کتابون کی دوکانین تھین " اس شہر کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوگئی تھی اور اسی کا نام سن کر سیاحون کے دل مین شان و شوکت اور دلکشی و زیبائی کا ایک عجیب نقشہ پھر جاتا تھا ۔ یہان پکی سڑکین اور پختہ شاہراہین تھین ان شاہراہون پر جو مکان بنے ہوئے تھے ۔ ان پر روشنی کرکے راتون مین ان شاہراہون کو میلون تک منور رکھا جاتا تھا ۔ حالانکہ اس زمانے سے سات سو سال بعد بھی شہر لندن کی کسی شاہراہ کو کوئی پمپ نصیب نہین ہوا تھا اور شہر پیرس کی سڑکون کی بھی صدیون تک یہی حالت رہی کہ بارش کے موسم مین جو کوئی اپنے گھر کی دہلیز سے نیچے اترتا اس کے پاؤن ٹخنون تک کیچڑ مین دھنس جاتے تھے [2] اور اس اسلامی سلطنت کی شہرت اتنی دور دور تک پہنچ گئی تھی کہ جرمنی کی ایک ساکزن راہبہ نے اس شہر کے قصے سن سن کر اس کو نگینۂ عالم کا لقب دیا تھا [3]

---

[1] تہذیب وتمدن اسلامی حصہ دوم رشید اختر ندوی طبع ۱۹۵۲ء ص ۲۸۹

[2] تہذیب وتمدن اسلامی حصہ دوم رشید اختر انصاری ۔ ابن عذاری ص ۲۲۷

[3] عرب اور اسلام ص ۶۲

قرطبہ دنیا کے ہر سامان تجارت کی منڈی تھی ۔ملک ملک کے پھل دیس دیس کی کاریگری کے نمونے وہاں دکھائی دیتے ۔ شہر کے اندر دلکشا باغات کے بے شمار تربیت گاہیں ۔کثیر مرمریں بارہ دریاں اور عظیم محلات تھے ۔آب رسانی کا انتظام نہایت اعلی تھا۔ پانی نلوں کے ذریعے شہر میں لایا جاتا اور پھر چھوٹی نالیوں میں گھروں میں تقسیم ہوجاتا تھا۔ شہر میں فواروں کی کثرت تھی اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے اس شہر میں عبدالرحمن الثالث نے کسی کو بھوکا اور ننگا نہ رہنے دیا تھا کہیں کوئی بھکاری نظر نہ آتا ۔ بیکاری ، افلاس اور چوری ڈاکہ زنی نام کو نہ تھی ۔

یہ انسانی تہذیب وتمدن کی آخری حد تھی جہاں عبدالرحمن الناصر نے قرطبہ کو پہنچا دیا تھا ۔ یورپ نے آج اگرچہ بہت ترقی کی ہے ۔عظیم شہر ہیں بے شمار دولت ہے لیکن اس کے باوجود شہروں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو بھوکے بھی ہیں ننگے بھی ۔یورپ کی تہذیب اپنے عروج پر پہنچنے کے باوجود بھوکوں اور ننگوں ، محتاجوں اور مفلسوں کا وجود برداشت کرلیتی ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب انسانوں کی نہ بھوک گوارا کرتی ہے اور نہ برہنگی ۔مجموعی اعتبار سے عبدالرحمن الناصر کے زمانہ میں ہسپانیہ نے جتنی تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے ترقی کی اتنی کسی اور مسلمان ملک میں نہ پہلے ہوئی تھی اور نہ بعد میں ایسا ہو سکا ۔ اس کے بیٹے الحکم ثانی کے زمانے میں علمی اور ادبی کام کی طرف بہت توجہ کی گئی ملک میں بے شمار مدرسے اور مکتب کھولے گئے اور ناخواندگی تقریبا تقریبا ختم ہوگئی ۔الحکم کے کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔[1]

الحکم کے بعد اسلامی تہذیب وتمدن کو زوال آنا گیا اور عیسائیوں کے قبضے کے بعد تو یہ ایک ماضی کی بات بن گیا۔

---

[1] ابن خلدون جز ۴ ص ۱۲۶ (تہذیب وتمدن اسلامی حصہ دوم رشید اختر ندوی)

فن تعمیر

ہسپانیہ میں ابتدائی پچاس سالوں میں مسلمانوں نے کوئی خاص تعمیراتی کام نہ کیا ۔ البتہ جب اموی حکومت قائم ہوئی تو اس نے فن تعمیر کی طرف خاص توجہ دی اور امویوں کا فن تعمیر کا ذوق بہت اونچا تھا۔ امویوں کی سب سے پہلی تعمیر قصر رصافہ تھی جو الداخل نے اپنے دادا ہشام کی یاد میں بنوایا ۔ اس کے دادا نے ایسا ہی محل اور باغیچہ دمشق میں بنوا رکھا تھا ۔ دوسرے لفظوں میں امویوں نے فن تعمیر کی ابتدا دمشق کے فن تعمیر کی نقل سے کی چونکہ یہاں ماحول مختلف تھا ۔ اس لئے فن تعمیر پر بھی اس کا اثر پڑا اور وہ شام کے فن تعمیر سے مختلف ہوگیا ۔

ہسپانیہ میں بیزنطینی اور شام کے معماروں نے مل کر نیا فن تعمیر ایجاد کیا ۔ جس میں آہستہ آہستہ ترقی آتی گئی ۔ مثلاً قصر رصافہ کی دیواریں ، بارہ دریاں ، ستون چھتیں اور بیل بوٹے خوبصورتی اور لطافت کے اعتبار سے الزہرا کے ستونوں بارہ دریوں چھتوں اور ان کے بیل بوٹوں کے مقابلے میں کم خوبصورت تھے ۔ گویا قصر رصافہ کی تعمیر کے وقت اموی فن تعمیر ابھی اپنے عہد جوانی میں تھا ۔ جب الزہراء تعمیر ہوا تو اس وقت امویوں کا فن تعمیر عروج پر تھا ۔ الزہراء کے متعلق المقری کہتا ہے

" اس کی مثال دنیا بھر میں نہ تھی ۔ ابن خلدون کا بھی یہی خیال تھا " [1]

مسجد جامع کا محراب تو دنیا کے عجائب میں سے ایک تھا ۔ محلات سے قطع نظر ، ہسپانیہ میں مسلمانوں نے جتنی مساجد بنائیں وہ ہسپانیہ کے گرجوں سے یکسر مختلف تھیں

---

[1] تہذیب و تمدن اسلامی حصہ دوم مصنف رشید اختر ندوی طبع ۱۹۵۲ء ص ۵۸۶

نہ ان کے محراب ایسے تھے نہ ستون نہ بیل بوٹے اور نہ ترتیب ۔ ہسپانوی عربوں نے فن تعمیر میں ریاضی کا بڑا استعمال کیا چنانچہ اسکاٹ لکھتا ہے :

" عربوں نے ریاضی کو زیادہ اہم جانا انہیں اس میں غیر معمولی مہارت نصیب تھی ۔ انہوں نے اپنی عمارتوں کی تعمیر میں اس سے بہت کام لیا یہ بات پایۂ تصدیق کو پہنچ چکی ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے شروع میں قرطبہ اشبیلیہ ، بلنیہ ، ملاغہ اور طلیطلہ کی درسگاہوں میں ہندسہ الجبرا کے ساتھ ساتھ انجینئرنگ یعنی نقشہ کشی اور عمارات بنانے کی عملی تعلیم دی جاتی " [1]

اندلس کے امویوں نے نہ صرف اپنی عمارتوں کے نقشوں میں جدّت برتی بلکہ انہوں نے دیواروں کی زیبائش میں بھی اپنی غیر معمولی ہنرمندی و مہارت کا مظاہرہ کیا اور ان عمارتوں کی دیواریں دنیا جہان کے حسن کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھیں ۔ اندلسی معماروں نے ان پر عجیب عجیب رنگوں میں سدا بہار چمن کھلا دئیے تھے ۔ نہریں ، آبشار ، پھول اور پودے گلبہائے رنگ رنگ کیا چیز ایسی تھی جو ان دیواروں پر نہ بنی تھی ۔ اموی معماروں نے بیل بوٹے بنانے میں جو مسالے استعمال کئے ان کی ترکیب وہ اپنے ساتھ ہی لئے گئے ۔

سکاٹ کہتا ہے

" مسلمانانِ اندلس نے اپنے عمارتی زیبائش کے لئے جتنے طریقے استعمال کئے ہیں ان سب میں بہتر عربی حروف عبارت کی تحریر تھی ۔ اندلسی

---

[1] تہذیب و تمدن اسلامی حصہ دوم مصنف رشید اختر ندوی طبع ۱۹۵۲ء ص ۵۸۶

عرب کچھ اس ڈھنگ سے قرآن کی آیات دیواروں کی پیشانیوں پر نقش کرتے کہ طرح طرح کے بیل بوٹے بن جاتے "[1]

اس دور کی عمارات کی ایک خصوصیت کتبات کی تحریر تھی اور یہ کچھ اسقدر خوبصورت ہوتی کہ مسلمانوں کے زوال کے بعد مقدسین یورپ نے بھی ان جانے ہوجھے اسے اختیار کیمرلیا ۔ اسکات نے ایک مثال دی ہے کہ سینٹ پیٹر کے سب سے بڑے گرجے کے سب سے بڑے دروازے پر جو بیل بوٹے بنے ہیں ان میں قرآنی آیات لکھی ہیں حتی کہ کلمہ طیبہ بھی ہے ۔ عربوں نے ان کلمات کو کچھ ایسے بیل بوٹوں کی شکل دے دی تھی کہ عربی سے ناواقف لوگ انہیں صرف آرائشی بیل بوٹے سمجھے ۔

اموی عمارات میں (مساجد کے سوا) جانوروں کی تصویروں اور مجسموں سے بھی زیبائش کاکام لیا گیا ۔ الزہرا کی دیواروں پر ایسی بے شمار تصاویر بنائی گئی تھیں ۔ شاہی مجلس کے سامنے جو حوض بنا تھا اس کے فوارے پر بارہ جانوروں کے مجسمے بنے تھے ۔ محل کے اندر جو پردے لٹکے تھے ان پر بھی خوبصورت جانوروں کی تصویریں کندہ تھیں ۔

مسلمانوں نے تعمیراتی مسالہ میں ایک نیا عنصر شامل کیا اور وہ سلفیٹ آف لائم (Sulphate of lime) ہے اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ پانی ملانے پر یہ آٹے کی طرح نرم ہوجاتا ہے اور اس سے مختلف قسم کی شکلیں اور مجسمے تیار کئے جا سکتے ہیں الحمرا اسی قسم کے چونے سے تیار کیا گیا ہے اور مرور زمانہ کے باوجود جون کا تون کھڑا ہے ۔

موسیو لیسان کا خیال ہے کہ

" یورپ کا کوئی صناع اس قسم کی کج کاریوں کا ذمہ نہیں لے سکتا

---

[1] اخبار الاندلس جلد سوم مصنف اسکات ترجمہ خلیل الرحمن طبع ۱۹۲۹ء ص ۶۲۲

جو بلا زوال کے اتنی طویل مدت تک اپنی اصل حالت پر قائم رہ سکیں" [1]

واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے کہ مجھے یہ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ عمارت کچ سے بلکہ بنی ہے ۔ الحمرا کی دیوار سے ایک ٹکڑا میں نے امریکہ بھیجا وہاں تجزیہ کرنے پر یہ حقیقت سامنے آئی کہ یہ واقع چونے سے بنا ہے " [2]

اب ہم ان عمارتوں کا حال بیان کرتے ہیں جو مسلمانوں کے فن تعمیر کی مظہر تھیں ۔

الزاہـــرا : ۹۳۶ء میں الزاہرا تعمیر ہونا شروع ہوا اور برابر چالیس برس تک بنتا رہا ۔ الناصر نے اپنے عہد حکومت کے باقی ۲۵ سال اور الحکم ثانی نے اپنی عمر کوتاہ کے ۱۵ سال اس کی آراستگی اور پیراستگی پر خرچ کر دئیے ۔ یہ شہر جو صرف ۷ فرلانگ لمبا اور ۵ فرلانگ چوڑا تھا خوبصورت حویلیوں ، نفیس بارہ دریوں با رونق بازاروں ، سیمیں نہروں خدام شاہی کی رہائشی گاہوں اور سفیروں کی اقامت گاہوں پر مشتمل تھا ۔ اس مختصر سی بستی میں سیاسی مندوبین بھی رہتے تھے اور غیرملکی سفیر کبیر بھی یہاں روٗسائے مملکت بھی آباد تھے اور خدام شاہی بھی ۔ یہاں علماء کا جم غفیر بھی تھا اور صناعوں اور کاریگروں کا جھرمٹ بھی مدینہ الزہرا کے بنانے میں دس ہزار کاریگر اور مزدور بہ یک وقت کام کرتے رہے ۔ ضروری سامان کی نقل وحمل کے لئے آٹھ سو کے قریب لادو جانوروں سے کام لیا جاتا رہا جو ستون اس عمارت میں استعمال ہوئے ان کی تعداد چار ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے ۔ ان ستونوں میں سے اکثر قسطنطنیہ ، رومۃ الکبری اور فرانس سے آئے تھے ۔ باقی قرطاجنہ ، تونس سے منگوائے گئے تھے ۔ ہر روز ہزاروں ان گھوڑے خچروں اور

---

[1] تمدن عرب مصنف گستاولی بان ترجمہ سید علی بلگرامی ص ۲۵۶

[2] الحمرا کی داستانیں مصنف واشنگٹن ارونگ ترجمہ سردار علی علوی ص ۲۶

اینٹوں کے علاوہ چھ ہزار ترشے ہوئے پتھر چنائی میں صرف ہو جاتے تھے ۔ مدینہ الزہرا کے ساتھ کے پہاڑ پر مختلف قسم کے پھلدار اور پھول دار پودے اس کثرت سے لگا دیئے گئے کہ وہ پہاڑ خوبصورتی اور رونق کے سبب جبل العروس کہلانے لگا ۔

الناصر کے شاہی محل میں وہ حصہ سب سے زیادہ دیدہ زیب تھا جو مجلس مونس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ اس حصہ میں دو حوض نصب کئے گئے تھے ایک سنگ سرمر کا تھا اور دوسرا برنجی کا سنگ سرمر کے حوض کے گرد دھات کی ڈھلی ہوئی بڑی بڑی حیوانی مورتیں نصب کی گئی تھیں جو قرطبہ کے دارالصنعت میں تیار ہوتی تھیں سب سے بڑی شکل ایک شیر کی تھی جس کے ایک پہلو میں ہرن اور دوسرے میں نہنگ تھا ۔ دوسرا حوض جو برنجی تھا اور جس پر سونا بڑی کاری گری سے چڑھایا گیا تھا قسطنطنیہ کے بادشاہ نے بطور تحفہ بھیجا تھا اس کے گرد بھی انسانی مورتیں بنائی گئی تھیں جن کے منہ سے پانی کی دھاریں بہ کر حوض میں گرتی تھیں ۔

قصر شاہی تمام کا تمام سنگ سرمر کا بنا ہوا تھا اس کی چھتیں خوشکوار اور خوشبودار لکڑی اور سونے کی بنی ہوئی تھیں ۔ نعل نما محرابیں سفید اور شفاف ستونوں پر قائم تھیں ۔ یہاں بھی ایک ایسا حوض بنایا گیا تھا جو پارے سے بھرا رہتا تھا ۔ سورج کی شعاعیں جب اس حوض پر پڑتیں تو کمرہ بقعۂ نور بن جاتا ۔

مدینۃ الزہرا میں الناصر نے ایک عجائب خانہ اور ایک چڑیا گھر بھی بنا رکھا تھا جہاں ہر قسم کے نوادرات اور چرند پرند جمع کر دیئے تھے ۔ یہ حصہ عوام کی دلچسپی سے خالی نہ تھا ۔ ۱۰۱۰ء میں بربروں نے اس شہر کو تباہ کر دیا ۔

" ابوالحزم جودور آخر کی ایک اہم شخصیت مین مدینۃ الزہرا کے کھنڈرات کے

پاس سے گزرے پوچھا

قُلتَ یومًا لدار قومٍ تفانُوا   این سُکانُکِ العزاز علینا

ترجمہ : مین نے اس قوم کے مٹے ہوئے آثار سے دریافت کیا جو لڑ جھگڑ کر بجاہ ہوگئی

تھی کہ تمہارے آباد کار جو ہمین دل سے عزیز تھے کہان گئے ؟ "

مٹے ہوئے آثار نے زبان حال سے جواب دیا :

فاجابت ھنا اقاموا قلیلاً   ثم ساروا وَلستَ اعلم اَینا

ترجمہ : وہ کچھ دنون یہان ٹھہرے اور پھر چل دئیے معلوم نہین وہ کدھر کو

سدھارے " [1]

الحمرا :- الحمرا کی بنیاد ۲۳۸ ھ مین بنی نصر کے سلطان محمد الاول الغالب نے رکھی

لیکن اس کی تعمیر چودھوین صدی مین مکمل ہوئی ۔ اس قصر مین مسلمانون کی آرائشی طرز

حد کمال کو پہنچ گئی تھی ۔ غرناطہ کے اس قلعہ کو پچی کاری ۔ قلعی تزئین ۔ کاشی کاری

اور کتبات کی بے حساب تزئین و آرائش کے ساتھ ایک نہایت ہی وسیع اور عظیم الشان پیمانے

پر تعمیر کیا گیا تھا ۔ الحمرا باہر سے دیکھنے مین برجیون اور قلعہ بندیون کا ایک بے نظم

سلسلہ ہے جس مین نہ کوئی جاذبیت ہے اور نہ تعمیر کی خوبصورتی ۔ دور سے دیکھنے مین اس

بات کا بالکل اندازہ نہین ہوتا کہ اس کی اندرونی عمارتین اور محلات اس قدر عالیشان اور

خوبصورت ہین ۔ چنانچہ واشنگٹن ارونگ قصص الحمرا مین لکھا ہے

" اچانک ایک پر کیف نظارہ ہمارے سامنے تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

کسی نے جادو کی چھڑی ہلا دی اور ہمین آن کی آن مین ایسی دنیا

15885

مین پہنچا دیا جہان قدم قدم پر مشرقی عظمت اور اسلامی تزک و احتشام کی یاد تازہ ہو رہی تھی ۔ یہ مقام باہر سے جتنا غیر دلچسپ ہے اندر سے اتنا ہی دلآویز اور دلکش ہے " [1]

قلعہ کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اسکے اندر چالیس ہزار کا لشکر فروکش رہتا تھا ۔ اس کے گرد و پیش خوبصورت مناظر ہین ۔ پہاڑی پر کھڑے ہوکر اگر اوپر کو دیکھین تو سیرانوادا سیرانوادا کی برف سے ڈھکی ہوئی سربلند چوٹیان ہین ۔ اگر نیچے کو دیکھے تو زرخیز وادی جسمین سے دریائے حدّارہ (Darro) بل کھاتا ہوا گزرتا ہے ۔ الحمرا کا اندرونی حصہ فن عکس کشی اور مصوری کا ایک بہترین نمونہ ہے ۔ اس مین رنگ برنگ کے ستونون کے وہ دالان نہین بنائے گئے جو دوسری عمارات کا طرّہ امتیاز ہین ۔ قصر اللیوث ، دارالاختین اور بیت العدل اپنی تزئین و آرائش کے سبب ایک خیالی حسینہ کی طرح نظر آتے ہین جس کا آنکھ تو مشاہدہ کر سکتی ہے لیکن قلم بیان کرنے کی قوت نہین رکھتا ۔ یہ عمارت نہ تو زبرجد کی بنی ہے اور نہ ہی سنگ مرمر اور سماق کی بلکہ ایک خاص قسم کے چونے سے بنائی گئی جو Sulphate of Lime کہلاتا ہے ۔ اس مصالحہ کو کاریگرون نے مختلف اجزاء کی آمیزش سے اس طرح تیار کیا ہے کہ صدیان گزر جانے کے بعد بھی پامال جفا نہین ہو سکا ۔ کلیساء کے پجاریون نے جس طرح دوسری عمارات کو تباہ و برباد کر دیا تھا اسی طرح اس عمارت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔ چارلس پنجم نے تو اس کا ایک بڑا حصہ صرف اس لئے گرا دیا تھا کہ وہ اس کے مصالحہ سے دوسری عمارت بنا سکے گا ۔ موسیو داوی لئیر اپنی کتاب " اندلس " مین ایک مقام پر لکھتے ہین وہ پرتکلف چینی

---

[1] الحمرا کی داستانین مصنف واشنگٹن ارونگ ترجمہ سردار علی علوی ص ۱۲ ۔ ۱۵

کی تختیاں جو قصر الحمرا کے دالانوں میں نصب تھیں چند سال قبل پیس کر چونا بنانے کی غرض سے فروخت کر دی گئیں ۔ مسجد کا کانسی کا دروازہ پرانے تانبے کے نام سے بکا اور وہ بیش بہا لکڑی کے کندہ کئے ہوئے دروازے جو دار بنی سراج میں لگے ہوئے تھے ۔ ایندھن کے کام میں لائے گئے جو کچھ مال و متاع اس میں سے بنک سکتی تھی اس کے فروخت کرنے کے بعد یہ عمارت بطور قید خانہ استعمال کی گئی اور اس میں فوجی اسلحہ کا کارخانہ بنایا گیا " ـــہ [1]

علوم و فنون :

ہسپانیہ میں مسلمانوں نے اشاعت تعلیم کی طرف خاص طور سے توجہ دی ۔ قصبے اور شہر میں اعلی درس گاہیں اور بڑے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں قائم کیں ۔ قرطبہ اشبیلیہ ، سرقسطہ ، مالقہ ، سلمنکہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیاں بہت زیادہ مشہور تھیں شہر قرطبہ میں ثانوی مدارس کی تعداد آٹھ سو (۸۰۰) کے قریب تھی ۔ سب سے بڑی یونیورسٹی جامع اعظم تھی ۔ اس اموی دارالعلوم کا بانی عبدالرحمن الداخل تھا ۔ عبدالرحمن ثانی اور ثالث نے اس کو بہت زیادہ ترقی دی ۔ الحکم کا دور بھی قرطبہ یونیورسٹی کے لئے نہایت مبارک دور تھا ۔ الحکم نے صرف یونیورسٹی کی عمارت کی آرائش اور آب رسانی کے انتظام پر کوئی پونے تین لاکھ اشرفیاں خرچ کی تھیں ۔ عمارت کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ اس نے معیار تعلیم کو بلند کرنے پر بھی بہت توجہ دی ۔ دور دور سے بڑے بڑے علماء کو بلوایا اور ان کی گران قدر تنخواہیں مقرر کیں ۔ ان مشہور علماء میں سے ابو علی القالی صاحب الامالی بھی تھے ۔ اس یونیورسٹی میں طب ، ادویہ سازی ، نجوم ، ہئیت فلسفہ ، حساب ، جغرافیہ ، تاریخ ، زراعت اور صنعت و حرفت کی تعلیم دی جاتی تھی ۔

[1] ـــہ مسلمان یورپ میں تالیف احسان الحق سلیمانی طبع ۱۹۵۲ء ص ۲۲۹

اس دور کے اساتذہ نے طب سائنس اور تاریخ و جغرافیہ میں بڑا نام پیدا کیا ۔ بعض اساتذہ یہودی اور عیسائی بھی تھے ۔ ان پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ اساتذہ بہت روشن خیال اور وسیع الظرف تھے ۔ وہ مذہبی بحثوں میں الجھنا پسند نہ کرتے تھے ۔ اسلامی علوم و فنون اور عرب اساتذہ نے ان کے ذہنوں کو بے حد ہموار کر دیا تھا ۔ قرطبہ یونیورسٹی میں جدید زمانے کی طرح مختلف علوم و فنون کے الگ الگ شعبے قائم تھے اور ہر شعبے کے لئے الگ الگ اساتذہ مقرر تھے ۔ کوئی طالب علم قرطبہ یونیورسٹی میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا تھا جب تک داخلے کا امتحان نہ پاس کر لیتا ۔ ہر جماعت کے نصاب تعلیم کے تکمیل کے بعد امتحان ہوتا تھا اور باقاعدہ سندیں تقسیم ہوتی تھیں

یونیورسٹی میں طب کے شعبے کو خاص اہمیت حاصل تھی ۔ طب جراحت اور ادویہ سازی کے امتحانات سب سے مشکل تھے ۔ ہر سال کامیاب و ناکامیاب طبیبوں کے نام شائع کئے جاتے تاکہ عوام ان کے ناموں سے واقف ہو جائیں ۔ جدید یونیورسٹیوں کی طرح قرطبہ یونیورسٹی میں بھی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی ۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیمی مدارج دوسری درس گاہوں میں طے کئے جاتے ۔ نویں اور دسویں صدی یونیورسٹی میں طلبا کی تعداد گیارہ ہزار تھی [1] ۔ یونیورسٹی سے ملحقہ مدرسوں اور ثانوی تعلیمی اداروں کی تعداد کو کسی مورخ نے درج نہیں کی لیکن علامہ المقری ، ابن جبیان اور ابن العذاری نے لکھا ہے کہ ہر اس گاؤں میں جہاں مسجد ہوتی مدرسہ لازمی طور پر اس کے ساتھ ہوتا تھا ۔ یہاں سے ابتدائی تعلیم کے بعد طالب علم اپنے علاقے کے شہر میں ثانوی تعلیم کے لئے آتے اور آخر میں قرطبہ یونیورسٹی میں داخل ہوتے تھے ۔ اسکاٹ لکھتا ہے کہ اندلس کو اس بات کا بھی فخر ہے کہ اس نے جو نظام تعلیم رائج کیا وہی ان دنوں یورپ میں رائج ہے [2]

---

۱ ۔ اسکاٹ جز سوم ص ۵۱۲ ترجمہ خلیل الرحمن طبع ۱۹۲۹ء ۲ ۔ ایضاً ص ۵۱۳

ہسپانیہ میں تعلیم مفت اور لازمی تھی۔ ہر طالب علم کو سرکاری طور پر کتابیں مفت دی جاتیں۔ قرطبہ یونیورسٹی میں صرف مسلمان ہی نہیں تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ فرانس، جرمنی اطالیہ اور انگلستان تک کے عیسائی طالب علم حصول علم کے لئے یہاں آتے تھے عیسائیوں کے پوپ " سلوستر (۹۰۵ء) نے اسی یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی۔ موسیو سیدیو فرانسیسی کہتا ہے :

" جب تک تمام یورپ جہالت کی تاریکی ظلمت میں پھنسا ہوا تھا اس وقت عربوں کی آنکھیں انوار علم کی چمک سے کھل چکی تھیں۔ ممالک ہسپانیہ میں بڑے بڑے شاندار مدارس قائم تھے۔ ان سے بڑے باکمال اور ماہر مدرس پیدا ہوئے جن کی شاگردی کا فخر علمائے یورپ کو ہے " [1]

ہسپانیہ کی عرب یونیورسٹیوں کے سالانہ اجتماع میں عام لوگوں کو شامل ہونے کی دعوت دی جاتی تھی۔ اس تقریب میں یونیورسٹی کے اساتذہ خطبات دیتے تھے۔ ہر کالج کے صدر دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی " دنیا کا مدار چار باتوں پر ہے۔ عالموں کا علم، اکابر کا عدل، عابدین کا تقوی اور جوانمردوں کی شجاعت " ـــــ گویا مسلمانوں نے علم کو پہلا درجہ دیا ہے اور انصاف کو دوسرا۔ ہسپانیہ میں زیادہ تر آبادی تعلیم یافتہ تھی۔ نکلسن لکھتا ہے " اندلس کے اموی پورے فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے آٹھویں صدی سے لے کر گیارھویں صدی تک کی مدت میں پورے اسلامی اندلس کے باشندوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیا اور ان میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی پیشانی جہالت سے داغدار ہو " [2]

ڈوزی نے بھی کہا ہے کہ اس وقت تقریباً ہر شخص پڑھا لکھا تھا " [3] ہسپانیہ میں

---

[1] بحوالہ ماہ نامہ " ثقافت " ستمبر ۱۹۶۷ء ص ۱۲ [2] نکلسن لٹریری ہسٹری ص ۴۱۹
[3] عبرت نامہ اندلس، رائن ہارٹ ڈوزی طبع ۱۹۶۰ء ص ۷۲۰

مردون کے ساتھ عورتون کی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی جاتی تھی ۔ ملک مین عورتون کے متعدد مدارس تھے ۔ ہسپانیہ مین کچھ ایسی عالم اور ادیب خواتین موجود تھین جو ملک کے بہت سے ادباء فصحاء سے بلند مرتبہ رکھتی تھین ۔ ان مین شہزادہ احمد کی بیٹی عائشہ ، خاندان الواحد کی شہزادی ولیدہ یہ دونون مجالس علمیہ اورمذاکرات ادبیہ مین شرکت کرتین جن مین بڑے بڑے علماء اور خطیب موجود ہوتے تھے ۔ اشبیلیہ کی عفیفہ اور صفیہ کونظم کہنے مین کمال حاصل تھا ۔ ام سعد قرطبہ کی محدثہ تھی ۔ لبانہ علم ہندسہ کی ماہر تھی ۔ المقری نے نفح الطیب مین " الادبیات من نساء الاندلس " اور لسان الدین ابن الخطیب نے " اللحاطہ فی الاخبار غرناطہ " مین ہسپانیہ کی مشہور خواتین کا ذکر کیا ہے جوعلم و ادب اور دوسرے فنون مین ماہر تھین ۔ یہ لازمی امر ہے کہ جس ملک مین تعلیم اس قدر عام ہو وہان کتابین بھی بے شمار ہون گی ۔ چنانچہ ہسپانیہ مین جگہ جگہ کتب خانے تھے جن مین ہزارون کتابین موجود رہتین اور ہر شخص کے لئے کتب خانے کے دروازے کھلے رہتے امون بادشاہ الحکم ثانی کے کتب خانے مین چار لاکھ کتابین تھین اور ان کتابون مین سے اکثر وہ پڑھ چکا تھا اوران پر اپنے ہاتھ سے حواشی بھی لکھے تھے ۔ اس کے مقابلے مین سولھوین صدی کی ملکہ اسپین ازابیلا کے کتب خانے مین صرف دو سو اکیاسی ایک کتابین تھین الحکم کے کارندے دور دراز کے ممالک مین اس کے لئے کتابین لانے کے لئے سفر کرتے رہتے ۔ الحکم کو جیسے ہی معلوم ہوتا کہ کوئی مصنف نئی کتاب لکھ رہا ہے وہ پیشگی اس کتاب کی قیمت بھیج دیتا ۔ مسلمان بادشاہون نے علماء کو کتابین لکھنے کی طرف بہت زیادہ ترغیب دی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض مصنفون نے کئی کئی سو کتابین لکھین ۔ ان مین ابوالقالی ، ابن السقوطیہ ، اور ابن حزم مشہور ہین ۔

ہسپانیہ کے مرکزی شہروں میں علم کا اتنا چرچا تھا کہ کتابیں عام زندگی کے لوازمات میں داخل ہوگئی تھیں ۔ اہل علم اپنے گھر میں کتابوں کے بہتر سے بہتر ذخیرے جمع کرتے اور اپنے کتب خانوں کے نادر و نایاب نسخوں پر فخر کیا کرتے تھے ۔ المقری لکھتا ہے کہ لوگ اس بات کا فخریہ ذکر کرتے تھے کہ ان کے پاس فلاں خطاط کی لکھی ہوئی کتاب ہے جو بالکل نایاب ہے [1] قرطبہ کے شاہی محل میں جو کتب خانہ تھا اس میں دس ہزار خطاط ملازم تھے جو کتابیں نقل کرتے رہتے (یہ کتابیں قرطبہ کے سرکاری کتب خانوں اور دوسرے شہروں کو بھیجی جاتیں ۔ ہسپانیہ میں تاجران کتب کی تعداد بے شمار تھی ۔ صرف قرطبہ میں ان کی تعداد بیس ہزار تھی جو کتابیں لکھنے اور لکھوانے کا کاروبار کرتے تھے ۔ کتاب کی قیمت اس کے موضوع کے علاوہ حسن خط اور بہتر جلد کی وجہ سے بھی طے پاتی ۔ کتابوں کی جلدوں پر نقش و نگار بنائے جاتے تھے ۔ بعض جلدیں عاجی دانت اور طلائی و نقرئی پتریوں سے بھی تیار ہوتیں ۔ بعض پر موتی اور جواہر بھی لگائے جاتے [2]

کتابوں کی نشر و اشاعت اور کثرت کی ایک بڑی وجہ کاغذ کی ارزانی تھی ۔ مشاطیہ میں روئی اور کتان سے اعلی درجے کا کاغذ اتنی بڑی مقدار میں بنایا جاتا تھا کہ جملہ ملک کی ضروریات آسانی سے پورا کرنے کے علاوہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا ۔

طب

ہسپانیہ میں علم طب کی تین روایتوں یعنی یہودی ، نصرانی اور اسلامی روایتوں کو تراجم کی بدولت یکجا ہونے کا موقعہ ملا ۔ ان روایتوں کے اختلاط اور امتزاج سے ایک نیا

---

[1] تہذیب و تمدن اسلامی حصہ دوم ۔ رشید اختر ندوی ص ۵۰۲

[2] نفح الطیب مصنف المقری جز اوّل ص ۲۱۵ ۔ ۲۱۶

اور ترقی یافتہ علم طب وجود مین آیا ۔

معاشرے مین طبیب کو اعلی مقام حاصل تھا ۔ ان مین بعض شاہی درباروں سے وابستہ تھے اور بعض ایک پیشہ ور کی حیثیت سے مطب کرتے تھے ۔ ہسپانیہ کے طبیبوں نے علم طب مین جو نئے انکشافات کئے ان مین سے کچھ یہ ہین ۔

۱ ۔ جراثیم کی دریافت طب جدید کا کارنامہ سمجھی جاتی ہے لیکن ابن خاتمہ نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ انسان کے ماحول مین بعض باریک باریک اجسام موجود ہین جو انسانی جسم مین پہنچ کر موجب امراض بنتے ہین ۔

۲ ۔ چودھوین صدی عیسوی کے وسط مین جب یورپ " سیاہ موت " نامی وبا کی لپیٹ مین آچکا تھا اورعیسائی اسے عذاب الہی سمجھتے تھے اس وقت غرناطہ کے مشہور طبیب ابن الخطیب نے متعدی امراض کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اپنے تجربات کو سائنسی طریقے سے پیش کیا ۔ وہ لکھتا ہے :

" کچھ لوگ کہتے ہین ہم چھوت چھات کا امکان کیسے تسلیم کر سکتے ہین جب مذہبی قانون اس کے وجود سے انکار کرتا ہے ۔ ہم جواب دیتے ہین کہ چھوت کا وجود تجربہ تحقیق حسیات کی شہادت اور موثق ذرائع سے ثابت کر سکتے ہین ۔ چھوت کی حقیقت اس شخص پر واضح ہوجاتی ہے جو بیمار کے ساتھ رابطہ قائم کرکے خود بیمار ہوجاتا ہے لیکن جو شخص بیمار سے نہین ملتا درست رہتا ہے ۔ وہ یہ بھی دیکھ سکتا ہے کہ کپڑون ، برتنون اور کانون کے زیورون سے چھوت کا مرض کس طرح پھیلتا ہے " [۱]

---

[۱] مسلمان یورپ مین صفحہ ۱۲۵

۳ـ اشبیلیہ کا طبیب ابن زہر نے "علاج بالحفظ " کا نظریہ پیش کیا ـ اس نے ثابت کیا کہ طبیعت جو جسم پر حکمران ہے بطور خود بغیر دوا کے امراض کو رفع کر سکتی ہے ـ اس نے علم الامراض ، علم تشریح الابدان اور علم الادویہ کو الگ الگ کر دیا ـ موسیو لیبان نے کہا ہے :

" علاج امراض میں عرب اطبا کو اصول حفظ صحت پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ طبیعت (قوت مدبّرہ بدن) سے بہت کام لیتے تھے ـ علاج بالحفظ انہی اصولوں پر مبنی ہے جن کی مدد سے دسویں صدی میں عرب اطبا ہم سے زیادہ مریضوں کی جانیں بچا لیتے تھے " [۱]

موسیو لیبان کے نزدیک ابوالقاسم زہراوی سب سے بڑا عرب جراح تھا ـ اس نے بہت سے آلات جراحی ایجاد کئے ـ اس نے اس سلسلے میں ایک کتاب با تصویر لکھی جو دنیا میں اس موضوع پر پہلی کتاب ہے ـ عربوں ہی نے شانے کے اندر پتھری توڑنے کا طریقہ ایجاد کیا ـ اس کا بیان زہراوی کی کتاب میں با تصویر ہے (اس کتاب کا ایک نسخہ پٹنہ کی اورینٹل لائبریری میں موجود ہے ـ جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے)

علم ھئیت :ـ

ھسپانیہ میں مسلمان سائنس دانوں نے علم ھئیت میں اعلی درجے کے تحقیقی کارنامے انجام دئیے ـ انہوں نے ستاروں کی رفتار و حرکت کے جدول مقرر کئے ـ دائرۃ البروج کا تدریجی انحراف اور آفتاب کے مدار کا بعد معلوم کیا ـ مدار النجوم کا بیضوی راستہ تجویز کرنے والے بھی لوگ تھے ـ زرقل نے آفتاب کے " بعد اقصی " کی حرکت معلوم کرنے کے لئے

---

[۱] تمدن عرب (ترجمہ اردو) سید علی بلگرامی ص ۲۵۲ طبع ۱۹۳۶ء

چار سو دو (۲۰۲) مشاهدے کئے ۔ اسکی رصد گاہ عظیم الشان تھی۔ اس کے علاوہ مسلمان هیئت دانوں نے کرے بنائے اسطرلاب ایجاد کئے اور ان کے استعمال پر کتابیں لکھیں ۔

ملک میں جگہ جگہ رصد گاہیں تھیں ۔ اسکاٹ دسویں صدی کے هسپانیہ کا حال ایک سیاح کی زبان سے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے :

" تہذیب وتمدن کی دوسری علامات کے علاوہ قرطبہ کے در ودیوار پر رنگین نقشے ، گھومنے والے کرے ، دھوپ گھڑیاں ، پن گھڑیاں آب پیما آلات منظر کواکب ، تربیعات و اسطرلاب جا بجا نظر آتے تھے " [۱]

هیئت دانوں میں سب سے پہلا نام ابوالقاسم مجریطی کا ہے جس نے خوارزمی کی زیج کی ترمیم کی اور بعد میں یہی کام زرقالی اور ابن افلح نے انجام دیا ۔

بطلیموسی نظام کی سب سے پہلے جس عالم نے مدلل تردید کی اور بتایا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے ، وہ هسپانیہ کا البطروجی صاحب " کتاب الهیأة " ہے ۔ البطروجی کوپرنیکس سے دو سو سال پہلے کا محقق ہے ۔ اسی لئے آرنلڈ کہتا ہے :

" کہ کوپرنیکس کا جدید نظام هیأت علمائے اندلس خصوصاً بطروجی کا رهین منت ہے " [۲]

جغرافیہ و تاریخ :-

مسلمان زائرین اور سیاح ، دور دراز کے ممالک کا سفر کرتے تھے ۔ انہوں نے اپنے سیاحت ناموں اور سفر ناموں میں مختلف ممالک کے جغرافیائی اور معاشرتی حالات بڑی صحت اور

---

[۱] تہذیب و تمدن اسلامی حصہ دوم رشید اختر ندوی طبع ۱۹۵۲ء ص ۵۰۵

[۲] Legacy of Islam, Thomes Arnold, page 39

صراحت سے بیان کئے ہین ۔ ہسپانیہ کے جن سیاحون اور جغرافیہ دانون نے اپنے مشاہدات سفرنامون کی صورت مین مرتب کئے ان مین ادریسی ۔ ابن جبیر ۔ المنجم ۔ الزہری اور البکری خاص طور سے قابل ذکر ہین ۔ الزہری المتوفی ۱۱۳۷ء نے " کتاب الجغرافیہ " کے نام سے ایک کتاب لکھی ۔ ابن جبیر بلنسیہ مین ۱۱۴۵ء مین پیدا ہوا ۔ اس نے بہت سے سفر کئے اور اپنا سفرنامہ " رحلۃ ابن جبیر " کے نام سے مرتب کیا ۔ اس مین بحیرۂ روم کے خطہ مین بسنے والی مسلمان قومون کے تمدنی تجارتی اور جغرافیائی حالات پر بحث کی گئی ہے ۔ یہ کتاب ایک اہم تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ سب سے مشہور جغرافیہ دان ادریسی ہے ۔ اس نے قرطبہ کی یونیورسٹی مین تعلیم حاصل کی ۔ صقلیہ کے فرمانروا راجر ثانی کے لئے دنیا کا نقشہ ایک چاندی کے کرّے پر بنایا ۔ علم جغرافیہ پر " نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق " ہے جس مین ۶۹ نقشے شامل تھے ۔ ادریسی نے دریائے نیل کا منبع دریافت کر لیا لیکن مغربی محققین پچھلی صدی تک اس کی تلاش مین سرگردان رہے ۔

تاریخ مسلمانون کی تحقیق و تصنیف کا خاص موضوع رہی ہے ۔ ہسپانیہ مین بے شمار مورخ پیدا ہوئے جن مین ابن قوطیہ ۔ ابن حیّان ۔ ابن بشکوال قرطبی ۔ ابن الخطیب ۔ ابن خلدون اور المقری بہت مشہور ہین ۔ ابن الخطیب بھی ایک بہت بڑا مورخ تھا ۔ یہ ایک عرصے تک غرناطہ کا وزیر بھی رہا ۔ اس نے تقریباً ساٹھ کتابین مختلف علوم پر لکھین اس کی مشہور کتاب " الاحاطہ فی الاخبار غرناطہ " ہے ۔

ہسپانیہ اور مسلم دنیا کا سب سے بڑا مورخ ابن خلدون ہے ۔ ابن خلدون نے فن تاریخ نگاری کے اصول وضع کئے ۔ اس نے سیاسی اور تہذیبی عروج و زوال اور معاشی و اقتصادی

حالات کو تاریخ کا لازمی جزو قرار دیا ۔ ابن خلدون نے اپنی تصانیف میں ان موضوعات پر مدلل بحث کی ہے ۔

۱ ۔ تمدن کی ضرورت ۲ ۔ انسانوں کی مجموعی زندگی پر کون سے مظاہر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ ۳ ۔ بدویانہ زندگی کے آغاز اور مختلف ادوار اجتماعی ترقی تک ۔ ۴ ۔ مختلف قسم کی حکومت اور اس کے خواص ۵ ۔ تمدن کا زوال اور اس کے اسباب ۔ ابن خلدون نے پہلی بار تاریخ کے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا ۔ حتّی اسے اسلام کا عظیم ترین اور دنیا کا ایک زبردست مفکر تاریخ کہتا ہے ۔[1]

شعر و ادب

شعر و ادب نے ہسپانیہ میں بہت ترقی کی اس کی ایک وجہ تو شعر سے عربوں کا طبعی لگاؤ ہے اور دوسری وجہ یہاں کا دل کش فطری ماحول ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہسپانیہ کی اموی حکومت کا بانی عبدالرحمن الداخل اور اس کے بہت سے جانشین شاعر تھے ۔ ہر دربار میں ملک الشعراء ہوتا تھا ۔ رزم اور بزم میں شاعر ساتھ رہتے تھے المنصور جب مشہور گرجا " سنت یاقب " کی مہم پر گیا تو ساتھ شعراء اس کے ہم رکاب تھے جب ملک میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوگئیں تو تمام حکمرانوں کے دربار شعر و ادب کے مرکز بن گئے ۔ اس سلسلے میں اشبیلیہ نے بہت عروج حاصل کیا ۔ اپنی نفاست اور نت نئے فیشنوں کی ایجاد کے سبب اسے آج کا پیرس کہا جا سکتا ہے ۔ یہاں کا بادشاہ معتمد ایک بہت بڑا شاعر اور ادب نواز حکمران تھا اس کی نظموں کا ترجمہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے ۔ اس کے وزیر ابن عمار اور ابن زیدون بھی بلند پایہ شاعر تھے ۔

---

[1] عرب اور اسلام (کے ۔ حتّی) ترجمہ مبارزالدین طبع ۱۹۵۱ء ص ۱۷۲

شعر و ادب کے میدان مین مردون کے دوش بدوش عورتون نے بھی ناموری حاصل کی ۔ خلیفہ مستکفی کی بیٹی ولادہ اور معتمد کی بیوی رمیکیہ اس سلسلے مین بہت مشہور ہین ۔ رمیکیہ توفی البدیہہ شاعری مین جواب نہین رکھتی تھی ۔ ذوق شعر و سخن صرف اعلیٰ خاندانون تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عام گھرانون کی خواتین بھی تعلیم یافتہ اور خوش مذاق ہوتی تھین ۔ غرناطہ کے ایک جلد ساز کی دو بیٹیان (حمدہ اور زینب) بہت بڑی عالم اور شاعرہ تھین ۔

ابن حزم ایک مشہور عالم اور شاعر تھا ۔ اس کی " داستان عشق " ایک بلند پایہ نظم ہے ۔ مسلمانون کے آخری دور مین غرناطہ کے مورخ اور عالم ابن الخطیب نے ادب اور شاعری کے میدان مین شہرت حاصل کی ۔ اس کی کثیر التعداد مین سے صرف ایک تہائی کتابون کا سراغ ملتا ہے ۔ اس کی مشہور کتاب " احاطہ فی الاخبار غرناطہ " ہے جس کا اردو مین دو جلدون مین ترجمہ ہو چکا ہے ۔ اس مین بہت سے شاعرون اور ادیبون کے حالات زندگی اور ان کی شاعری کے نمونے درج ہین ۔

ہسپانیون شاعرون کے ہان قوت محاکات تخیل اور مزح و فکاہات کی بڑی فراوانی اور افراط تھی ۔ فنون شعریہ مین سے تاریخی نظمون اور قصیدہ نگاری مین وہ شعرائے مشرق سے بھی بازی لے گئے اس ملک مین موسیقی اور آلات طرب کی کثرت تھی حسن و جمال اور نزاکت و رعنائی کی فراوانی تھی اور قدرتی مناظر نگاہون کو دعوت نظارہ دیتے تھے ۔ اس لئے عربون نے اندلس مین ادب عالیہ کے بیشمہا شاہکار تخلیق کئے ہے

صنعت و حرفت

مغربی مورخین شاہد ہین کہ ہسپانیہ کے عربون نے صنعت و حرفت کے میدان مین

بھی ایک انقلاب برپا کر دیا تھا ملک میں بے شمار صنعتیں رائج تھیں جن سے نہ صرف عام باشندوں کا معیار زندگی بہت بلند ہوگیا تھا بلکہ ملکی تجارت اور درآمد وبرآمد کے کاروبار کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا ۔

ہسپانیہ کے تمام بڑے شہروں میں ریشمی کپڑا بنا جاتا تھا ۔ ان پر اعلیٰ قسم کے پھول کاڑھے جاتے ۔ اس صنعت کے لئے جیسان ، المریہ ، غرناطہ ، مرسیہ خاص طور سے مشہور تھے ۔ جیان کو " جیان الحریر " کہتے تھے ۔ ابن حوقل اس کپڑے کے متعلق کہتا ہے :

" میں نے اقصائے عالم میں اس کپڑے کی مانند کوئی دوسرا کپڑا نہیں دیکھا اور نہ ہی ایسے کاریگر روئے زمین میں کہیں دیکھنے میں آئے ہیں "

سوتی کپڑے کی صنعت بہت عام تھی ۔ قالین اور چٹائیاں بھی نہایت خوبصورت تیار کی جاتی تھیں ۔ ان پر رنگ برنگ کے بوٹے ، پرندوں اور جانوروں کی تصویریں ہوتی تھیں ۔ ہاتھی دانت اور چوبی پچی کاری کی صنعت بھی اعلیٰ معیار تک پہنچ گئی تھی مسجدوں کے دروازے اور منبر اس کام کی خوبصورتی اور نازکی کی گواہی دے رہے ہیں ۔ شیشے اور چینی کے برتنوں کی صنعت کو بہت ترقی ہوئی ۔ غرناطہ میں ایک خوبصورت چینی کا مرتبان ملا ہے جو اس صنعت کی ترقی اور صناعوں کی ہنرمندی پر دلالت کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ پیتل اور فولاد سے بھی بہت سی چیزیں بنائی جاتی تھیں اور غیر ممالک میں بھیجی جاتی تھیں ۔

کاغذ سازی کی صنعت کا پہلے ذکر آچکا ہے ۔ بہت سی جگہوں پر اس کے کارخانے

تھے۔ شاطبہ کاغذ سازی کی صنعت کا مشہور مرکز تھا ۔ اس صنعت کی بدولت ملک مین خطاطی اور جلد سازی کی صنعتون کو بھی بہت ترقی ہوئی ۔

تجارت :

مسلمانون کے عروج کے زمانے مین ھسپانیہ کی داخلی و خارجی تجارت کوغیر معمولی فروغ حاصل ہوا ۔ ھسپانیہ کا محل وقوع ایسا ھےکہ وہ آسانی کے ساتھ تین برّاعظمون سے لین دین کر سکتا ھے۔ وھان کے مسلمانون کے تجارتی قافلے خشکی کی راھون سے سارے یورپ مین گھوم جاتے ۔ وہ یورپ کے ایک ایک مقام تک پہنچتے اور اس طرح ان ممالک کو وہ نعمتین بہم پہنچاتے جو اسلامی دنیاکو حاصل تھین ۔ ان کے بحری جہاز دنیاکی ھر بندرگاہ تک پہنچتے ۔ ھسپانیہ کے مسلمانون کی تجارت دور دراز کے ممالک سے بھی تھی اور اس کا ثبوت وہ سکے ھین جو ایک طرف ڈنمارک اور سویڈن اور دوسری طرف چین وجاپان اور دریائے والگا کے پار کے علاقون مین ملے ھین ۔

ھسپانیہ کے طبعی حالات اورزرعی ومعدنی پیداوار بھی بیرونی تجارت مین بے حد مدد و معاون ثابت ہوئی ۔ المقری نے بڑی تفصیل کے ساتھ زرعی ، معدنی اور صنعتی اشیاء کے نام بتائے ھین جو ملک سے باھر بھیجی جاتی تھین ۔ وہ کہتا ھے :

" ھسپانیہ کے مغربی ساحلون پر عنبر خوب نکالا جاتا ۔ اقلیم بشرہ مین عوج الخوح کی بڑی کثرت تھی ۔ یہ عود ھندی سے بھی بہتر تھا اس کے علاوہ قسط الطیب ، سنبل الطیب اور فسطانہ بھی برآمد ھوتا تھا ۔ قلعہ ایوب کا کھپر بالوقہ سے لاجورد اور قرطبہ سے بلور

کے ساتھ مدینہ اشبونہ کے وہ موتی جو رات کو چمکتے تھے دنیا بھر
کو بھیجے جاتے مالقہ سے سرخ رنگ کے یاقوت اور تدمیر سے مقناطیس
بھاری مقدار میں برآمد کیا جاتا۔ چاندی ہسپانیہ کی برآمدی تجارت
کا ایک اہم عنصر تھا ۔

مسلمانوں نے پہلے *گوتھوں* سے کان کنی میں کوئی خاص کام نہیں کیا تھا اس لئے ان کی بیرونی تجارت بہت کم تھی ۔

ہسپانیہ کی زرعی چیزوں میں جو برآمد کی جاتیں ان میں پہلے نمبر پر طلیطلہ کا زعفران تھا جس سے حکومت کو بہت آمدنی ہوتی تھی اور حکومت نے سرکاری طور پر بھی زعفران کاشت کرایا تاکہ باہر زیادہ مقدار میں بھیجا جا سکے ۔ اسکے علاوہ وادی آش کے سیب اور مالقہ کی تین کے سیب بھی ہسپانیہ کی تجارت کو بہت فروغ ہوا ۔ مقری کے الفاظ میں

" وبما لقبہ التین الذی یضرب المثل بحسنہ " [1]

یہ تین ہند اور چین تک جاتی ۔ مالقہ سے نارنگی ، انگور اور انار جو بیرونی منڈیوں میں خوب دام پاتے تھے باہر بھیجے جاتے تھے ۔

صنعتی چیزوں میں ریشمی اور سوتی کپڑا باہر بھیجا جاتا جس سے ہسپانیہ کو کروڑوں دینار سالانہ آمدنی ہوتی ۔ مختلف قسم کا اسلحہ اور برتن بھی برآمد کئے جاتے جن میں شیشے کے برتن بھی ہوتے اور چینی کے برتن بھی ان دونوں صنعتوں میں انہیں کمال تھا چینی کے برتنوں پر سونے اور چاندی کے رنگ بڑی ہنرمندی کے ساتھ چڑھائے اور یہ برتن

---

[1] نفح الطیب جزاول مصنف المقری ص ۷۳

بیرونی دنیا مین بڑی قیمت پاتے۔

سرکاری اہتمام سے مختلف شہرون مین تجارتی میلے لگتے تھے جن مین ملک کے تاجر اپنا سامان فروخت کرتے اور یہان سے خرید کر اپنے ملک لے جاتے تھے۔

ہسپانیہ کی تجارت کی ترقی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہسپانوی حکومت بیرونی تاجرون کے جان و مال کی پوری طرح حفاظت کرتی تھی اگر کسی تاجر کا کوئی نقصان ہو جاتا تو حکومت اس کی تلافی کرتی تھی اس لئے بیرونی ملکون سے بلا خوف و خطر بے شمار تجار یہان اپنا مال لاتے اور باہر لے جاتے۔

زراعت

مسلمان جب ہسپانیہ مین آباد ہوئے اس وقت وہان کی بیشتر زمین بنجر و بےآباد پڑی تھی ۔ نہ وہان نہرین تھین اور نہ تالاب ۔ صرف انہی جگہون پر فصلین ہوتی تھین جہان آب رسانی کے قدرتی ذرائع موجود تھے لیکن مسلمانون نے تھوڑے ہی عرصے مین ہسپانیہ کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سرسبز و شاداب زرعی ملک مین تبدیل کر دیا۔ ملک مین جون جون آبادی بڑھتی گئی زراعت مین ترقی ہوتی گئی اور دور افتادہ علاقون مین چپہ چپہ زمین کو کاشت کر لیا گیا ۔ پانی کے سرکاری ذخیرون سے آبپاشی کے لئے پانی کی فراہمی کا انتظام اتنا معقول اور مناسب تھا کہ مقررہ وقت پر پانی کے دہانے کھلتے اور ہر کاشتکار کے حصے کا پانی اسے باقاعدہ حساب کے ساتھ دیا جاتا ۔ غرض کہ آب رسانی کے انتظامات بالکل موجودہ زمانہ کے مطابق تھے ۔

اشبیلیہ کے اردگرد چالیس میل کے رقبے مین زیتون کاشت کیا گیا تھا چنانچہ اشبیلیہ زیتون کے تیل کی اتنی بڑی منڈی تھا کہ ہر روز کئی لاکھ ٹن تیل کی خرید و فروخت ہوتی

تھی ۔ مقری نے ابن السبع کا قول نقل کیا ھے کہ شنترہ میں گیہوں کی فصل چالیس دن میں تیار ھوجاتی تھی ۔ وھاں کے سیب چار چار سیر کے ھوتے تھے ۔ [1] المریہ کے قریب ایک وادی تھی اس ساری وادی میں صرف شہتوت کے درخت لگائے گئے تھے اور ان پر ریشم کے کیڑے پالے جاتے تھے ۔ مالقہ میں انگور اور انار وسیع پیمانے پر کاشت کئے جاتے تھے اور باھر بھی بھیجے جاتے تھے ۔ غرناطہ اور قرطبہ کے دونوں طرف میل ھا میل تک باغات تھے ۔ ھسپانیہ میں زعفران عربوں ہی نے لا کر کاشت کیا اور پھر وھاں سے زعفران تمام ممالک کو برآمد ھوتا تھا ۔

ھسپانیہ کے بادشاھوں نے ملک کی زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے کاشتکاروں کو ھر ممکن سہولت عطا کی تھی جہاں جہاں نہریں نکالنی ممکن تھیں وھاں انہوں نے نہریں جاری کیں ۔ جہاں نہریں نہ بن سکتی تھیں وھاں تلاب بنوائے جہاں تالابوں کی گنجائش نہ تھی وھاں کنویں کھود ے گئے ۔ القنت کا مصنوعی تالاب جواب بھی قائم ھے تین میل لمبا اور پچاس فٹ گہرا ھے اس طرح کے کئی اور وسیع تالاب تھے جن کے آثار اب بھی باقی ھیں ۔ مسلمانوں نے دریاؤں پر بند بھی باندھے ۔ دریائے صفورا کا بند سات سو ساٹھ (٧٦٠) فٹ چوڑا دو سو چونسٹھ (٢٦٤) فٹ لمبا اور باون (٥٢) فٹ اونچا تھا ۔

زرعی پیداوار کو بڑھانے کے لئے مصنوعی طریقے بھی استعمال کئے جاتے تھے ۔ مثلاً کھیتوں میں قسم قسم کی کیمیاوی کھادیں بہم پہنچاکر ایک ایک سال میں کئی فصلیں لگائی جاتی تھیں ۔ کاشتکار اپنے کھیتوں کے کناروں پر شہتوت کے درخت لگاتے ۔ ان پر ریشم کے کیڑے پالتے ۔ شہد کی مکھیاں پالتے ۔ چٹنیاں اور مربے تیار کرتے ۔ جڑی بوٹیاں

---

[1] تہذیب وتمدن اسلامی حصہ دوم رشید اختر ندوی طبع ١٩٥١ ء ص ٥٩٦

بوتے اوراس طرح آمدنی مین اضافہ کرتے تھے لہذا کاشتکارون کی زندگی خوش حال تھی انہین حکومت کی طرف سے بہت سی رعایتین اور سہولتین حاصل تھین ۔

حکومت نے ہر ضلع کے صدرمقام پر زراعتی درسگاہین کھول رکھی تھین تاکہ کاشتکارون کے بچے زراعت کی فنی تعلیم حاصل کرسکین ان درسگاہون مین ماہرین زراعت کاشت کے بیجون کو کھاد دینے ، پیوند لگانے ، نئے نئے پھول اگانے اور پھولون کے رنگ لگانے کی تعلیم دیتے ۔ یہان انہین سال مین کئی فصلین اگانے اور انہین بیماریون سے بچنے کے طریقے بتائے جاتے ۔ اسکاٹ کہتا ہے

" اس دور کے کاشتکار زمینین جوتنے ، نئی نئی فصلین اگانے ، کھاد تیار کرنے مویشیون کو پالنے کے فن سے خوب واقف تھے ۔ انہون نے زراعت مین اس قدر ترقی کرلی تھی کہ اسے جان کر حیرت ہوتی ہے " [1]

بارھوین صدی مین ابن العوام نے زراعت و باغبانی اور دوسری گھریلو دستکاریون پر اس دور مین ایک کتاب لکھی تھی ۔ اس مین ھسپانیہ کے مسلمانون کی زراعتی سرگرمیون کا جائزہ لیا تھا ۔ ساتھ ہی پیداوار بڑھانے ، پودون بیماریون سے محفوظ رکھنے کی ترکیبین بھی بتائی ہین ۔ اس کتاب مین نسل کشی ، میوے ، چٹنیان ، شہد کی مکھیان پالنے مختلف ادویات تیار کرنے کے قاعدے بیان کئے ہین ۔ اس کے علاوہ کتاب مین حفظان صحت کے اصولون پر ہوا دار مکانات تعمیر کرنے کے طریقے درج کئے ہین ۔ پروفیسر اسکاٹ نے کہا ہے کہ صرف اس کتاب کے مطالعے ہی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ھسپانوی مسلمان بارھوین صدی تک زراعت اور گھریلو دستکاریون مین کس قدر عروج حاصل کر چکے تھے ۔

---

[1] اسکاٹ جز سوم ص ۵۱۲

مسلمانون کے اثرات یورپ پر

آٹھوین صدی سے لے کر تیرھوین صدی کے درمیانی عرصے مین عرب ھی ساری دنیامین تہذیب وتمدن کے مشعل بردار تھے۔عربی زبان ھی وہ واسطہ تھی جس کے ذریعے قدیم سائنس اور فلسفہ کی بازیافت ھوئی ۔ ان مین اضافے ھوئے ۔ ان کی اشاعت ھوئی اور یورپ مین نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ھوا ۔

یورپ مین مسلم ھسپانیہ کے ذریعے تہذیب وتمدن پر جو اثرات پڑے ان کے نقوش آج بھی نمایاں ھین ۔ سب سے پہلے ھم ادب کو لیتے ھین ۔تیرھوین صدی تک یورپ مین جو قصے کہانیان اور اخلاقی تمثیلین رائج رھین ان مین اور ابتدائی عربی قصون مین بڑی واضح مشابہت پائی جاتی ھے۔ کلیلہ و دمنہ کے پر لطف قصون کا ترجمہ قشتالیہ اور لیون کے بادشاہ الفانسو (دانا) (۱۲۵۲ تا ۱۲۸۲ء) کے لئے اسپینی زبان مین کیا گیا تھا ۔اسپینی زبان کے اکثر ناول عربی قصون سے ماخوذ ھین ۔ یورپی ادب پر عربی زبان کا سب سے بڑا احسان یہ ھے کہ اس کے طرز انشا کے اثر سے مغربی تخیل کو فنی روایات کی سخت ترین بندشون سے رھائی نصیب ھوئی ۔ اسپینی زبان کے اعلی مزاح مین عربی نمونون کی صاف جھلک نظر آتی ھے ۔ بذلہ سنجی مین بھی یہی رنگ دکھائی دیتا ھے (چنانچہ سروانٹس کی کتاب ڈان کوئیکزوٹ کی ظرافت اور بذلہ سنجی مین بھی یہی رنگ دکھائی دیتا ھے ۔

عربون کی ثقافتی زندگی مین شاعری کو بہت اھمیت حاصل ھے اور اس لئے جہان کہین بھی عربی تہذیب وثقافت کا اثر پڑا وھان شاعری کو بھی فروغ حاصل ھوا ۔ اسپین مین

بالعموم عربی شاعری کا راج تھا ۔ عربی شاعری کی صنف خصوصاً غزل اسپینیوں کو بہت پسند تھی ۔ عربی تغزلی شاعری کی دو طرزوں کو قشتالیہ کی مقبول عام طرز " ویلنسی سیکا " کی صورت میں فروغ حاصل ہوا ۔ چنانچہ اس کے متعلق جے بی ٹریند لکھتا ہے

" جنوبی فرانس میں گیارھویں صدی کے آخر میں دفعتاً ایک نئی قسم کی شاعری معرض وجود میں آئی جس کا موضوع ، معاشرتی نفسیات اور ہئیت بالکل نئی تھی اور یہ نئی شاعری عربی ہسپانیہ کی معاصر شاعری کے ایک خاص نمونے سے گہری مشابہت رکھتی تھی " [1]

اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے

" رومانی شاعری کی بعض اصلاحات بھی عربی سے ماخوذ ہیں مثلاً" حقیقت میں تنازع ہے اور پروفیسر ریبرا کے نزدیک بھی عربی لفظ طرب (گانا) سے بنے ہیں " [2]

گزشتہ صفحات میں علوم و فنون کی اشاعت کا ذکر آ چکا ہے ۔ قرطبہ اشبیلیہ ، صالقہ اور غرناطہ میں بہت بڑی یونیورسٹیاں تھیں جن سے تمام یورپ میں علوم و فنون کے چشمے جاری ہوئے ۔ تعلیم کی نشر و اشاعت میں عربوں کی کاغذ سازی کی صنعت نے بھی اہم کردار کیا ۔ یورپ میں جلد سازی اور جلدوں کی تزئین و آرائش سے شروع ہوئی ۔

" مغربی جلد سازی میں جو سنہری تزئین اور حروف نویسی آج عالمگیر ہوچکی ہے وہ انہی ذرائع پر مبنی ہے جن کو مسلمان کاریگروں نے تکمیل تک پہنچایا تھا " [3]

---

[1] و [2] میراث اسلام ترجمہ عبدالمجید سالک طبع ۱۹۶۰ء ص ۲۵۵

[3] ایضاً ص ۲۰۲

عربون کی جغرافیائی تحقیقات کا بھی یورپ پر اثر پڑا ۔عربون ھی کی بدولت زمین گول ھونے کا نظریہ مغرب کو ملا ۔جسے ایچ کریمز نے جغرافیہ اور تجارت کے عنوان سے " میراث اسلام " مین لکھا ھے

" مسیحی مصنفین نے مسلمانون کے جغرافیائی تصوّرات کو تسلیم کیا جس کا ایک ثبوت یہ ھے کہ مارنیو سنوتو نے ۱۳۲۱ مین اپنی کتاب Opusterrate Sanctate کے نام سے لکھ کر پوپ کے نام معنون کی جس مین نقشہ عالم موجود ھے ۔ یہ نقشہ گول ھے اور اس کا مرکز یروشلم ھے " [1]

ھئیت مین بھی عربون کے لازوال کارنامے ھین انہون نے ملک مین جگہ جگہ رصد گاھین بنا رکھی تھین ۔عربی تصنیفات کے ترجمے یورپی زبانون مین ھوئے مثلاً "البتانی کی "زیج " تصنیف ۹۰۰ء افلاطون ٹیوولی نے ۱۱۵۰ء مین ترجمہ کیا ۔ یورپی زبانون مین ستارون کے نام بھی عربی الاصل مین جیسے (Algedi Akrab) ایجدی (Acrab Algedi) عقرب (Altair) الطائر (Pherked) ذنب (Daneb) فرقد وغیرہ ۔ اس کے علاوہ بے شمار فنی اصطلاحات بھی ایسی ملین گی جو عربی الفاظ سے لی گئی ھین جیسے (Azimuth (السموات)) (Nadir (النظیر)) (Zenit (اسمت)) وغیرہ ۔ بحری قیادت ایک لمبے عرصے تک مسلمانون کے پاس رھی تھی ۔نوین صدی مین تو مسلمانون کی جہاز رانی انتہائی وسعت اختیار کر چکی تھی ۔ یورپ والون نے قطب نما عربون ھی سے لیا ۔زمانہ حاضرہ کے بین الاقوامی بحری ذخیرہ الفاظ مین ایسے الفاظ بے شمار ھین جن کی اصل عربی ھے ۔مثلاً Cable, Admiral, Bargus, Shallap, Average اور بحر ھند کی زبان مین

---

[1] میراث اسلام ترجمہ عبدالمجید سالک طبع ۱۹۶۰ء ص ۱۲۶

Monsoon وغیرہ ـ

تجارتی اور صنعتی اشیاء کے اکثر نام بھی عربی ہیں ـ مثلاً " چھک " عربی " صاک " سے Magasin عربی " مخازن " سے اور Dowane " دیوان " سے صنعتی اشیاء میں پارچات میں مسلن (موصل سے) دماسک (دمشق سے) درآمد کئے جاتے تھے ـ اس لئے ان کا نام بھی ان شہروں پر پڑ گئے تھے ـ دوسری بافتہ اشیاء میں Cotton-Guuze اور ساٹن وغیرہ پھلوں میں نارنگی لیموں ناشپاتی اور سبزیوں میں پالک وغیرہ اور پھر زعفران اور ایلاٹس ان سب کے نام عربی ہی سے ماخوذ ہیں ـ

یورپ پر مسلمانوں کا ایک یہ بھی احسان ہے کہ انہوں نے اسے صفر سے متعارف کیا جس سے جدید حساب میں بڑی مدد ملی اور یہ " آج کل علم حساب کی ترقی دراصل عربی اعداد اور صفر کی بدولت ہی ہے اور اسی طرح (الجبرا صفر اور الگورثم کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ علم حساب شمار کے تاسیس اور اشاعت میں عربوں کا مقام کس قدر بلند ہے ") لـه

عربوں نے فن تعمیر نے بھی اہل یورپ کو متاثر کیا ـ مسلمانوں نے عمارتوں پر کوفی حروف میں نقش و نگار کو ایک اہم فن بنا دیا تھا ـ عیسائیوں نے اس فن کی جاذبیت اور خوبصورتی کی بنا پر اس کو قبول کر لیا ـ یہ فن فرانس میں اس وقت ہی رائج ہو گیا تھا ـ جب مسلمانوں نے اسکے جنوبی صوبوں پر قبضہ کر لیا تھا ـ مثلاً لاپسوے کے گرجا کے ایک حصہ میں لکڑی کے کندہ دروازے اور لاودت چلہپان کے گرجا میں ایک دروازے پر یہی نقش و نگار ہیں بلکہ ان میں کلمہ طیبہ بھی شامل ہے ملکہ الزبتھ کے زمانہ تک انگلستان میں ابھروان نقوش کو " عربیک " کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا ہے بلکہ عربی حروف کا استعمال مصوری میں بھی ہوا ہے ـ ارنیا پدوا کے گرجا میں مریم عذرا کی آستینوں اور اسکی عبا کے حاشیوں پر بھی عربی

لـه میراث اسلام ص ۵۳۷

حروف کا استعمال ہوا ہے (ظاہر ہے ان کو ان آرائشوں کے اصل و معنی کا کوئی علم نہ تھا)

ہسپانوی مسلمانوں نے نباتات کی تحقیقات میں خاصا کام کیا۔ انہوں نے پودوں کے گروہ بنائے اور زراعت پر کتابیں لکھیں ۔ مسلمانوں کی طب نے بھی یورپ میں اپنے قدم جمائے ۔ اہل یورپ نے طب مسلم کے آگے نہایت عاجزی سے جھکا دیئے ۔ انہوں نے طب کی اکثر کتابوں کے ترجمے اپنی اپنی زبانوں میں کئے ۔ بہت سی کیمیائی مرکبات اور ادویات کے ناموں میں عربی اثرات اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔

یورپ پر مسلمانوں کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے یونانیوں کے فلسفہ و حکمت کے خزانوں کی حفاظت کی ۔ یونانی فلسفہ کا ترجمہ عربی میں کیا اور پھر یورپ والوں نے عربی کی وساطت سے یونانی فلسفے کو اپنی زبانوں میں منتقل کیا ۔ در اصل ہسپانیہ کے مسلمان حکماء نے فلسفہ کا صحیح مذاق یورپ میں عام کیا ۔ اہل مغرب سب سے زیادہ ابن رشد سے متاثر ہوئے ۔ اس کی تصانیف عربی سے ترجمہ ہو کر یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی شامل تھیں ۔

غرضیکہ ہسپانیہ میں مسلمانوں نے ایک عظیم الشان تہذیب اور ایک منظم اقتصادی زندگی کی تخلیق کی تھی ۔ مسلم ہسپانیہ نے یورپی فنون لطیفہ ، سائنس ، فلسفہ ، طب کے نشوو ارتقاء میں نتیجہ خیز حصہ لیا اور جے بی ٹریند کے الفاظ میں :

" اس زمانے میں ہسپانیہ یورپ کے لئے ایک " مشعل " کا حکم رکھتا تھا " [1]

---

[1] مقالہ " ہسپانیہ اور پرتگال " (مصنف جے بی ٹریند) میراث اسلام ترجمہ عبدالمجید سالک طبع ۱۹۶۰ ص ۷

ہسپانیہ میں عربوں کے نسلی ولسانی اثرات

۱۴۹۲ء میں فتح غرناطہ کے بعد عیسائیوں کی زیادہ تر یہی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی نسل کو ہسپانیہ سے بالکل ختم کر دیا جائے ۔ ساتھ ہی ان کی تہذیب وتمدن کے تمام آثار بھی مٹا دئیے جائیں ۔ اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے البتہ وہ مسلمان جو عیسائی ہوگئے تھے ان کی نسل باقی رہی اور ان کی ایک کثیر تعداد آج بھی ہسپانیہ میں موجود ہے ۔ خصوصاً جنوبی اندلس میں تو عرب نسل کے بے شمار لوگ موجود ہیں ۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی نسل کہنے سے ڈرتے تھے لیکن آج کل وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ان کی رگوں میں عربوں کا خون دوڑ رہا ہے ۔ خوش قسمتی سے راقم الحروف کو چند اسپینیوں سے ملاقات کا موقعہ ملا تو انہوں نے اپنے عربی النسل ہونے کا فخریہ اظہار کیا بلکہ ایک ہسپانوی خاتون جو اب مشرف بہ اسلام ہوکر پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کر چکی ہیں انہوں نے تو اپنا شجرہ نسب طارق بن زیاد سے ملایا اور کہا کہ میری رگوں میں وہی خون ہے جو طارق بن زیاد کی رگوں میں تھا ۔ ہسپانیہ میں کچھ لوگ تو اپنے آپ کو فاروقی اور صدیقی بھی کہلانے لگے ہیں ۔

جنوبی ہسپانیہ تو بالکل شمالی افریقہ کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے ۔ یہاں کے باشندے رنگ روپ اور خد وخال میں افریقی مسلمانوں سے بہت مشابہ ہیں ۔ یہاں کے باشندوں کی آنکھیں سیاہ ہیں اور جتنی زیادہ سیاہ اور چمک دار ہوں گی اتنا ہی زیادہ عرب خون کی شہادت دیں گی ۔ ان کے بال بھی سیاہ ہیں اور نقش بھی عربوں ہی کے سے ہیں ۔ ان کے لباس میں آج بھی عربی وضع کی جھلک نمایاں ہے ۔ اس علاقے میں ہر جگہ عربی

طرز تعمیر کے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی بول چال میں عربی لب و لہجہ اور ان کے گیتوں میں " حجازی لے " کی گونج سنائی دیتی ہے ۔جنوبی ہسپانیہ کی زبان میں بے شمار عربی الفاظ کچھ اصلی اور کچھ بدلی ہوئی صورت میں موجود ہیں

ہسپانوی زبان میں عربی الفاظ اکثر اسماء سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً Fonda ہوٹل (عربی : فندق) Tahona نانبائی کی دکان (عربی : طاحونہ) ۔

ہسپانوی زبان میں عربی کے جو الفاظ لئے جاتے تھے ان کے ساتھ " ال " برابر شامل ہوتا تھا اور پھر اس کے بعد ہسپانوی کا حرف تعریف بھی بڑھا دیا جاتا ہے ۔مثلاً La alhaja نگینہ (عربی : الحاجہ) La acequia نہر (عربی : الساقیہ)

ہسپانوی کا ذخیرۂ الفاظ میں عربی سے مستعار لئے گئے الفاظ زیادہ تر روزانہ زندگی کی عام استعمال کی اشیاء سے تعلق رکھتے ہیں ۔مثلاً

ہسپانوی		عربی
Zaguan	(گھر میں جانے کا راستہ)	اسطوان
Tarima	(چبوترہ)	تاریمہ
Alcoba	(خواب گاہ)	القبہ
Alfombra	(قالین)	الخمرہ
Albanil	(معمار)	البناء
Alquiler	(کرایہ)	الکراء
Hasta	(تاآنکہ)	حتّی
Fulano	(وہ آدمی)	فلان

ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ ہسپانیہ مین مضلات ، دیہات اور مزارع بھی عربی نامون سے موسوم ہین ۔ ہسپانوی کسان کے پاس آب پاشی کے متعلق جتنے الفاظ ہین وہ سب عربی کے ہین ۔ اسی طرح بے شمار پھولون ، پھلون ، ترکاریون ، جھاڑیون اور درختون کے نام بھی عربون کے دئیے ہوئے ہین ۔

عربی زبان نے اس جزیرہ نما پر کتنا گہرا اثر چھوڑا اس کا اندازہ ہم مختلف جغرافیائی اسماء سے بخوبی کر سکتے ہین ۔ مثلاً جبل (پہاڑ) (اس سے جو نام بنے وہ کثیر تعداد مین ہین)

Jabaoon, Javaleon, Jabaloyas, Gibraleon, Gibralfaro

اور Gibraltor (جبل الطارق)

دریا کے لئے عربی کا ایک لفظ "وادی" ہے جس کا تلفظ ہسپانوی زبان مین " Guad

ہے جسے اب بھی بعض لوگ "واؤ" کے ساتھ "واد" بولتے ہین چنانچہ Guadalquiuir

"وادی الکبیر" Guadaloazar وادی القصر اور Guadalmedina

وادی المدینہ وغیرہ ۔

باغات کے نامون کا ماخذ بھی عربی ہے مثلاً Generalife (جنت العریف)

مزرع کو عربی مین القریہ اور گاؤں کو الضیعا کہتے ہین ۔ ہسپانیہ مین القریہ کہین کہین رائج ہے لیکن الضیعا توپورے ملک مین Aldea کے نام سے موسوم ہے ۔

اکثر شہرون کے اسماء کے ساتھ عربی لفظ "مدینہ" استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً

Medina Sidonia اور Laguna de Medina, Medina de pomar وغیرہ ۔

ہسپانیہ کے دیہاتی باشندے بازار (عربی : السوق) کو el azoque ہی

پکارتے ہین ۔

مندرجہ بالا مختصر فہرست سے ہی ہم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہین کہ ہسپانوی زبان اپنی نشوونما اور ارتقاء کے سلسلے مین عربی زبان کی کسی حد تک مرہون منت ہے ۔

فتح غرناطہ کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک مسلمانون کی موسیقی ہسپانیہ مین رائج رہی اور آج بھی ہسپانوی موسیقی مین عربی اثرات تازہ ہین ۔

"مرقیہ مین ایک بہت ہی قدیم قصبہ" الکا" ہے ۔ یہان یورپ بھر مین سب سےزیادہ کھجور پیدا ہوتی ہے ۔ اس علاقے مین اب بھی ایسے پہاڑی گاؤن ہین جو الگ تھلگ واقع ہین اور ان کی عورتین جو بستی کے کوئین پر مٹکے بھر نے آتی ہین ابھی تک چہرون پر اس طرح سے نقاب ڈالے ہوتی ہین جیسے آج سے پانچ سو برس پہلے ان کی بزرگ مسلمان بی بیان ڈالے ہوتی تھین " [1]

جب سے حکومت ہسپانیہ نے مذہب سے پابندی اٹھائی ہے کافی لوگ اسلام قبول کر رہے ہین ۔ آج سے چھ سال پہلے کوئی مسلمان ہسپانیہ سے حج کے لئے نہین آتا تھا لیکن اب سال بہ سال ہسپانوی حاجیون کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے ۔

جنوبی اور مشرقی ہسپانیہ مین پھلون کے صدہا باغ ، باڑیان ایران مین آب پاشی کے ذرائع ایک ہزار برس گزرنے کے باوجود سلامت ہین اور عیسائیون کو عربون کی یاد دلاتے ہین ۔

---

[1] ۔ "ہسپانیہ" صفحہ ۱۲ ڈارتھی لوڈر ترجمہ ہاشمی فرید آبادی طبع ۱۹۶۲ء

ہسپانیہ والون نے معاشرتی زندگی کے بہت سے رسوم و آداب عربون سے مستعار لئے ہین ۔ مثلاً اگر کوئی کسی ہسپانوی کے گھر جاتا ہے تو وہ ان کلمات سے اس کا خیرمقدم کرتا ہے " تشریف لائیے ۔ یہ آپ ہی کا گھر ہے " (Esta en su casua) ان کی کسی چیز کی تعریف کرتے ہین تو ہسپانوی کہتے ہین " قبول فرمائین یہ آپ کی نذر ہے " کسی اچھے ناچ یا گانے یا ہسپانوی کا بار بار (Ole) پکارنا بھی "واللہ" کی یادگار ہے ۔ عربون کی طرح شاعرانہ گفتگو اسپینیون کا روز مرّہ کا معمول ہے ۔ واشنگٹن ارونگ لکھتا ہے کہ آپ کبھی ان پڑھ ہسپانوی سے بھی ملین گے تو اس کی گفتگو شائستہ اور شاعرانہ ہوگی اور یہ انداز گفتگو یورپ کے کسی اور ملک کو نصیب نہین ۔ [1] اور "انشاء اللہ" کا فقرہ آج بھی اکثر ہسپانوی بولتے ہین ۔

عیسائی مورخین اور مسلم ہسپانیہ

ہسپانیہ کی درخشان تہذیب کے مدح خوان صرف مسلمان مورخ ہی نہین ہین بلکہ انصاف پسند عیسائی مورخین بھی اسکی تعریف مین رطب اللسان ہین ۔ موجودہ صدی مین کئی عیسائی علماء نے مسلم عہد کی تاریخ کے متعلق تحقیقی کاوش سے کام لیکر گران پایہ تصانیف مرتب کین ۔ انہون نے مسلمانون کے متعلق جو غلط روایات یورپ بھر مین پھیلائی گئی تھین ان کی تردید بھی کی ۔ یہان ہسپانوی عربون کی علمی و تہذیبی خدمات کے بارے مین چند مستند مورخین کی آراء درج کی جاتی ہین :

جیکب جوزف مصنف The Splendaur of Moorish Spain

[1] الحمرا کی داستانین تصنیف واشنگٹن ارونگ ترجمہ سیّد وقارعظیم ص ۱۲

لکھتا ہے

" اگر تعلیمات اسلامی ہم تک بر وقت پہنچ چکی ہوتیں اور فرانس کے عیسائی حکمران مسلمانوں کو یورپ میں داخل ہونے سے نہ روک دیتے تو آج نہ صرف ہم بلکہ تمام بنی نوع انسان پانچ سو برس پہلے فلسفہ اور علم کے ہر شعبے میں ترقی یافتہ ہوچکے ہوتے " [1]

گستاؤ لیبان (مصنف تمدن عرب) لکھتے ہیں :

" کیا بلحاظ ترقی دولت اور کیا بلحاظ ترقی علمی و عملی وہ عرب ہی تھے جنہوں نے یورپ کو مہذب بنایا ۔ جب ان کی تحقیقات علمی اور ان کی ایجادوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قلیل مدت میں ان سے زیادہ کسی قوم نے ترقی نہیں کی اور جب ان کی صنعت و حرفت پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کے صنائع میں ایک ندرت اور جدت ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا " [2]

لین پول (مصنف " مسلمان سپین میں ")

" اہل عرب نے وہ عظیم الشان اور بدیع المثال سلطنت قائم کی جو ازمنۂ وسطیٰ میں تمام یورپ کو حیرت میں ڈال رہی تھی اور جس نے ایسے نازک وقت میں جبکہ تمام براعظم پر وحشیانہ جہالت اور باہمی ستیزہ آرائیوں کی تاریکی چھائی ہوئی تھی مغربی دنیا کے ہر ملک کو علوم شائستگی کے آفتاب کی

---

[1] مسلمان یورپ میں صفحہ ۱۰۳ احسان الحق سلمان طبع ۱۹۵۲ء

[2] ایضاً ص ۱۹۲

تابندہ اور درخشندہ شعاؤن سے منور کر دیا تھا ۔

مسیحیون کا اپنے فاتحون سے خوش رھنا اس واقعہ سے ثابت ھوتا ھے کہ اسلام کی آٹھ متواتر صدیون کی حکومت مین مذھبی بنا پر ایک دفعہ بھی بغاوت نہین ھوئی .... ؎[۱]

مصنف اخبارالاندلس

" تاریخ بنی نوع انسان مین کوئی واقعہ اتنا درد انگیز اور جانکاہ نہین ھوتا جتناکہ کسی قوم کا مٹ جانا جس نے انسانون کے آرام و آسائش اور خوشی و خوشحالی کے لئے بڑے بڑے کام کئے ھون جس نے علم کے ھر شعبہ مین وہ انکشافات کئے ھون کہ جن کی داد علماء وقت نے دی ھو اور نسلہائے ما بعد اس کی ممنون ھون " ؎[۱]

پروفیسر حتّی (مصنف عرب اور اسلام) :

" مسلمانون کو جلا وطن کر دیا گیا کچھ عرصے تک نصرانی اسپین چاند کی طرح مستعار روشنی کے بل بوتے پر چمکتا رھا ۔ دو دنون کی چاندنی ختم ھوئی اور پھر اندھیرا چھا گیا اور اس اندھیرے مین اسپین آج تک پڑا ٹھوکرین کھاتا ھے " ؎[۲]

گونڈی (مصنف تاریخ اسپین)

" باطنی و اندرونی تاریکی نے ان ممالک کا احاطہ کر لیا جو عربون کی موجودگی مین آسمان ترقی و تہذیب کے آفتاب بنے ھوئے تھے فطرتاً اپنی جگہ پر قائم رھی

؎[۱] " مسلمان یورپ مین " صفحہ ۸۱ احسان الحق طبع ۱۹۵۲ء

؎[۲] عرب اور اسلام صفحہ ۱۹۲ پروفیسر کے ـ حتی طبع ۱۹۵۱

مگر وہ لوگ نہیں رہے اور نہ ان کا مذہب باقی رہا ۔۔۔۔ ساری عظمت و شان عربوں کے ساتھ چلی گئی ۔ تباہی وصیت رہگئی جو فاتح ہسپانویوں کے حصہ میں آئی "[1]

---

[1] تاریخ اسلام مصنف سید امیر علی ترجمہ حسین رضوی طبع ۱۹۶۵ء ص ۵۱۸

تیسرا باب

اقبال کا سفرِ ہسپانیہ

باب سوم

مسپانیہ کی سیاحت کا شوق اقبال کو بہت پہلے سے تھا چنانچہ جب تیسری گول میز کانفرنس کے لئے اقبال کو مسلمانان ہند کا نمائندہ منتخب کیا گیا تو اسی وقت انہوں نے سیاحت کا پروگرام بنا لیا ۔ ۱۱ر مئی ۱۹۳۲ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

" میں پہلے شمالی افریقہ ۔ ترکی اور مسپانیہ کی سیاحت کا قصد رکھتا ہوں ۔ دو ایک ماہ میں قطعی نتیجے پر پہنچ جاؤں گا " [1]

جوں جوں سفر کا وقت قریب آتا گیا سیاحت کا شوق بڑھتا گیا ۔ ارادے میں پختگی پیدا ہوگئی ۔ آغاز سفر سے پہلے انہوں نے یہ بھی طے کرلیا کہ مسپانیہ کے قدیم شہروں کے بارے میں وہ اپنے تاثرات بھی قلم بند فرمائیں گے ۔ چنانچہ ۲۱ر اگست ۱۹۳۲ء کو منعمی صاحب کے نام ایک خط میں لاہور سے لکھتے ہیں :

" ..... اگر اب کے نکلا تو اسپین کی سیر کا بھی قصد ہے ۔ انشاء اللہ عربوں کے قدیم شہر بھی دیکھوں گا اور ان پر لکھوں گا بھی ..... " [2]

۱۷ر اکتوبر ۱۹۳۲ء کو لندن جانے کے لئے ۹ بجے شب فرنٹیر میل پر سوار ہوئے [3] ۱۹ر اکتوبر کو بمبئی پہنچے ۔ وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر ۱۲ر نومبر کو برطانیہ پہنچے [4] ۱۷ر نومبر کو کانفرس شروع ہوکر ۲۲ر دسمبر کو ختم ہوگئی [5] ۲۳ر دسمبر کو علامہ صاحب نے مہر صاحب مدیر " انقلاب " لاہور کو لندن سے خط لکھا :

---

[1] اقبال نامہ حصہ دوئم مرتبہ شیخ عطاء اللہ طبع اول ۱۹۵۱ء ص ۲۸۲
[2] اقبال نامہ حصہ اول مرتبہ شیخ عطاء اللہ طبع اول ص ۲۲۰
[3] " انقلاب " لاہور ۱۹ر اکتوبر ۱۹۳۲ء [4] " انقلاب " لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۲ء
[5] " انقلاب " لاہور ۲۷ر نومبر ۱۹۳۲ء

" کل ۲۲/ دسمبر کو کانفرس ختم ہوجائے گی اس کے بعد دو تین روز یہان ٹھہرون گا اور پھر چند روز کے لئے ہسپانیہ جاؤن گا اور انشاءاللہ اگر قرطبہ کی مسجد واگزار ہوگئی تو وہان نماز ادا کرون گا وہان سے پیرس اگر جرمنی آسٹریا ہوتا ہوا جینوا سے جہاز ہندوستان کے لئے لون گا ۔ یہ جہاز ۲۶/ جنوری کو چلتا ہے ۔ اس حساب سے فروری کے پہلے ہفتے کے آخر مین بمبئی پہنچون گا ۔ بوڈاپسٹ کے مفتی اعظم کا خط آیا ہے کہ یہان غرور آؤ غرضیکہ وہان کے مسلمانون سے ملتا ہوا اٹلی (جینوا) پہنچ کر وکٹوریہ جہاز پر سوار ہون گا ۔ اگر اس مین کوئی ترمیم ہوگئی تو پھر لکھون گا یا کہین سے تار دے دون گا ۔ بمبئی اگر افغانستان قونصل خانے مین یا خلافت ہاؤس مین ایک آدھ روز ٹھہر جاؤن گا " [1]

لیکن ۲۹/ دسمبر کو لندن سے ایک اور خط لکھا جس مین پروگرام کی تبدیلی کا ذکر ہے مذکورہ خط کی نقل درج ذیل ہے :

۲۹/ دسمبر ۱۹۳۲ء
لندن

برخوردار مختار وجاوید بعد دعا کے واضح ہوکہ اس سے پہلے مین نے جو خطوط اپنے بمبئی پہنچنے کی تاریخ کے متعلق چوہدری صاحب یا منشی ظاہر دین یا کسی اور کو لکھے ہین ۔ان سب کو منسوخ تصور کیجئے ۔ پہلے ارادہ یہی تھا مگر بعد مین دیکھا تو جہازون کی روانگی کی موزون تاریخین نہ ملین ۔ اس واسطے اب مین ہسپانیہ ، جرمنی اور

[1] روزنامہ "انقلاب" لاہور ۱۱/ جنوری ۱۹۳۳ء

اور آسٹریا ہوتا ہوا ۱۰ فروری ۱۹۳۳ء کو وینس سے بمبئی کے لئے
جہاز لون گا ۔ اس جہاز کا نام " کانٹے وردی " ہے اور یہ بمبئی
۲۲ فروری کی صبح کو پہنچے گا " [1]

اقبال کے قدر دانوں کو ان کے سفر ہسپانیہ کی اہمیت کا اندازہ تھا ۔ ان کی شاعری پر اس سفر کے دور رس نتائج کے بارے میں بھی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں ۔ چنانچہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء کے اخبار " انقلاب " میں سیّد زبیر مزاروی ایم ۔ اے کا ایک مضمون " شاعر اسلام اندلس میں " کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں :

" اخبارات سے معلوم ہوا کہ ہمارا شاعر امسال اسی سرزمین کی سیاحت کا ارادہ رکھتا ہے ۔ جس میں مسلمانوں کی ایک شاندار تہذیب مدفون ہے .....

..... اس اجڑی ہوئی بستی میں ۔ اس وطن بے مہری و دیار بے وفائی میں اقبال کا جانا تاریخ اسلام کا کوئی معمولی واقعہ نہیں اور اگر آج علامہ مقری (جنہوں نے اندلسیہ کی تاریخ میں ان نقوش کا ذکر کیا ہے جو باہر سے اسپین میں وارد ہوئے) زندہ ہوتے تو مشرق کے اس شاعر اعلیٰ مقام کے دورۂ مسعود کا حال بھی جلی قلم سے بیان کرتے ....

..... اقبال کا سفر اندلس ہمارے نزدیک اس لئے بے حد اہم ہے کہ اقبال آج دیدۂ بینائے قوم ہو کر ایک ایسی اجڑی ہوئی محفل میں جا رہا ہے جس میں صبحت شب کے داغ فراق کو نمایاں کرنے کے لئے کوئی

---

[1] انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار طبع اوّل مارچ ۱۹۶۷ء ص ۱۰۱

" شمع خاموش " تک بھی کوئی موجود نہیں ۔ حقیقت میں ہم ان احساسات کا اندازہ نہیں لگا سکتے جن سے قلب اقبال لبریز ہوگا ۔ خدا معلوم غم نصیب اقبال کا کتنا لہو پانی ہوگا ۔ کیسے خبر ہے کہ اقبال کے دل سے کتنی آہیں نکلیں گی ۔ یہ آہیں کن خونی نغموں کی شکل اختیار کریں گی ۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک اقبال کا سمجھنا میں پہنچنا قیامت سے کم نہیں کیونکہ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ہماری قومی خرابیوں کا نبض شناس بھی ہے ۔ ہمارے کلچر کے حسن و قبح کا ماہر کامل بھی ہے ۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر بھی ڈال سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس وقت پھر دنیا میں مسلمانوں کی عظمت کے خواب بھی دیکھ رہا ہے اور اس کی نگاہیں زمان و مکان کے مطلع غبار آلود سے گزر کر ایک آنے والے " سوار اشہب دوران " کو بھی پا رہی ہیں ۔ پس ایک ایسے کلیم کا اندلس میں جانا اس امر کے مترادف ہے کہ وہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب کا جغرافیائی مشاہدات کی روشنی میں تجزیہ کرے گا اور ان اسباب کی حکیمانہ تحلیل کے بعد ہمارے سامنے نیا تعمیری نسخہ پیش کرنے کی کوشش کرے گا " [1]

اقبال لندن سے پیرس پہنچے تو وہاں مشہور فلسفی برگسان سے ملاقات ہوئی [2] اس کے بعد انہوں نے اپنے میزبان امراؤ سنگھ مجیٹھیا سے مشہور فرانسیسی محقق اور عالم میسنگ نون (Massing Non) کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا ۔ میسنگ نون نے

---

[1] روزنامہ " انقلاب " لاہور ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء

[2] روزگار فقیر جلد اوّل طبع ۱۹۶۳ء ص ۱۲۶

عربون کے عہد کی تاریخ ہسپانیہ پر قابل قدر تحقیقی کام کیا تھا ۔ اس کے اعلیٰ علمی ذوق کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ دوسری متعدد تصانیف کے علاوہ شیخ محی الدین ابن عربی (صاحب فصوص الحکم) کے نظریات پر ایک مبسوط و مستند کتاب لکھی ۔ میسنگ نون سے ڈاکٹر اقبال کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا ۔ دوران گفتگو مین ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مغرب کے مؤرخین کو اسلام سے جو تعصب و عناد ہے وہ وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو رہا ہے اور اسلام کی صداقت و حقیقت ان پر آشکار اور واضح ہوتی جا رہی ہے ۔ اس بارے مین آپ کی کیا رائے ہے ؟ ۔ فرانسیسی عالم نے جواب دیا کہ یہ بات درست ہے کہ اب مغربی مورخین نسبتاً غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر سے اسلامی تحریکون کا جائزہ لے رہے ہین ۔ میسنگ نون نے یہ بھی کہا کہ اس مین کوئی شبہ نہین کہ یورپ پر مسلمانون کے عظیم احسانات ہین ۔ انہون نے تہذیبی اعتبار سے یورپ کو بیدار کیا اور تعلیم و معاشرت کے بہت سے شعبون مین مغرب کی ترقی کے لئے مواقع عطا کئے ۔ میسنگ نون سے ڈاکٹر صاحب کی ملاقات کافی دیر رہی اور وہ ڈاکٹر صاحب کی باتین بڑے انہماک اور دلچسپی سے سنتا رہا [1]

عرب جبل الطارق کی راہ سے ہسپانیہ آئے تھے اور فرانس کے جنوبی صوبون تک پہنچ کر رک گئے تھے ۔ اقبال نے ان کے مخالف سمت سے سفر شروع کیا اور جنوبی فرانس کے راستے ہسپانیہ مین داخل ہوئے ۔

سب سے پہلے وہ میڈرڈ آئے ۔ یہان سے مہر صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا :

ڈیر مہر صاحب

کل صبح الخیر میڈرڈ پہنچے ۔ یہان سے قرطبہ ، غرناطہ وغیرہ جائین گے ۔ ٦ فروری تک وینس پہنچنا ہے ۔

---

[1] روزگار فقیر جلد اول طبع ١٩٦٣ء از فقیر سید وحیدالدین ص ١٣٦

آج یہان کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسن سے بھی
جنہون نے دانتے کی ڈوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے ۔
صدر جمہوریہ سے غالباً ملاقات ہوگی ۔
چوہدری صاحب سے مضمون واحد
محمد اقبال [1]

میڈرڈ عربی دور مین چھوٹا سا قصبہ تھا ۔ سولھوین صدی مین فلپ دوم نے جزیرہ نما کے وسط مین ہونے کی وجہ سے اسے اپنا پایۂ تخت بنایا ۔ اٹھارہوین صدی کے بعد بوربون بادشاہون نے اسے کافی ترقی دی اور آج یہ جدید سپین کے بڑے شہرون مین شمار ہوتا ہے جس کی آبادی سترہ اٹھارہ لاکھ ہے ۔

اقبال نے میڈرڈ کی یونیورسٹی مین ایک لیکچر دیا جو ایک ہسپانوی اخبار " ال دی بیت " مین چھپا تھا ۔ جلسے کی کارروائی کا انگریزی ترجمہ Letters & Writings of Iqbal مین شائع ہوا ہے جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہین ۔

" As a tourist and also with the desire to get in touch with spanish intellectuals of the Arabic school, Sir Muhamad Iqbal has arrived in Spain. Last evening he gave a lecture on "The intellecutal world of Islam and Spain", which was held in the new building of the faculty of Philosophy and Letters in Monchoa.

---

[1] انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار طبع اول مارچ ۱۹٦۷ء ص ۱۰۳

Sir Muhammad Iqbal is, as Mr. Asin Palacios said last night a subtle Philosopher and a fine poet, " One more example of those select beings who in Islamic Spain cultivated with equal good fortune the devine arts of poet and the profound studies of metaphysics."

In the lecture, he put the influence of the poets and philosophers and of Islamic spain in relief over the muslim intellectuality up to the For East. He mentioned how all of them are studies, especially Ibn Jaldun, and he also cited Al-Biruni, Al-Musudi and Al-Kindi. He made reference to the multiple investigation being carried out in this aspect.

Sir Mohammad Iqbal succeeded, like Ibn Arabi, in emptying into the tormented moulds of his poesy and rhyme, his philosophic doctrines under the suggestive title of Asrar-i-Khudi, a pretty poem. He makes reference, to the investigation on Ibn-Arabi and says that India and Andalus, in the extreme confires of the Islamic world, offer to the historian of culture, the common feature and they were both experimental laboratories of cultural synthesis. There the Islamic culture was established with the Aryan and the semitic elements while here it was established with the Greek, Roman and Christian elements, there, this intergnal culture is operative while here it is only a subject for historical research. And yet great minds of these two for - off countries feel alike the charms of science and art. 1.

---

1. Letters and Writings of Iqbal by Bashir Ahmad Dar.

میڈرڈ کے بعد علامہ اقبال اسکوریال گئے ۔ اسکوریال میڈرڈ سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے ۔ یہاں فلپ دوم نے ایک قصر بنوایا تھا جس کا ایک حصّہ زیر زمین ہے ۔ اسکوریال میں اقبال کے لئے سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ وہاں عربی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا ۔ یہ ایک روایت کے مطابق مراکش کے بادشاہ کا کتب خانہ ایک جہاز سے دوسری جگہ منتقل ہو رہا تھا جسے عیسائیوں نے سمندر میں لوٹ لیا ۔ ان کتابوں کے علاوہ بہت سے قدیم عربی نسخے جو ہسپانیہ کے دیگر شہروں میں دستیاب ہوئے وہ بھی یہاں محفوظ تھے ۔ اس کتب خانے کے بارے میں اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں :

" اسکوریال کی لائبریری بڑی عظیم الشان لائبریری ہے ۔ افسوس یہ ہے کہ عربوں کے زمانے کی قلمی تحریروں کا ذخیرہ متعصبین نے پہلے ہی غارت کر دیا تھا ۔ اب تھوڑا ذخیرہ رہ گیا ہے جس میں زیادہ تر مولانا جامی اور حضرت حافظ کی قلمی تحریریں ہیں " [1]

اسکوریال سے طلیطلہ پہنچے ۔ طلیطلہ دوسرے شہروں کی نسبت کافی حد تک عربی تمدن رکھتا ہے ۔ اس کے بارے میں اقبال کہتے ہیں :

" عربوں کا تمدن اسپین سے بالکل فنا نہیں ہوا ہے چنانچہ شہر طلیطلہ عربی تمدن کی زندہ مثال ہے ۔ قدرتی مناظر و حسن کے علاوہ یہاں کی معاشرت بھی آرام دہ اور دلکش ہے ۔ وہاں پہنچ کر میں نے محسوس بھی نہیں کیا کہ اجنبی ملک میں ہوں ۔ یہاں کے بازار ، مکانات بالکل مشرقی نمونے کے ہیں اور غذا بھی وہی ہے جو ہم لوگوں کو مرغوب ہے ۔ چنانچہ پلاؤ کا مجھے وہی مزا آیا جو مجھے لاہور میں آتا ہے ۔

---

[1] آئینہ اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ص ۱۱۹

لوگ خلیق اور ملنسار ہین اور ان کے رہنے سہنے کا طریقہ بھی
مشرقی ہے ۔ یہان ایک چھوٹی سی بالکل سادہ وضع کی مسجد
ہے جو اپنی ابتدائی حالت مین اب تک قائم ہے ۔ غالباً کسی مسلمان
سپاہی نے فتح طلیطلہ کے بعد اسے بنوایا تھا ۔ موجودہ حکومت
نے اسے آثار قدیمہ مین لے کر محفوظ کر دیا ہے " [1]

اسی ضمن مین تحریر فرماتے ہین :

" محکمہ آثار قدیمہ نے عربون کی عمارتین کئی جگہ کھدوا کر نکالی ۔
نکالی ہین ۔ ان مین خلفا کے زمانے کی چند عمارتین نکل آتی ہین
ان کے بعض حصّون مین ٹوٹی پھوٹی تصویرین بھی نظر آتی ہین" [2]

اس بیان مین یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اگرچہ تصویر سازی شرعاً ممنوع سمجھی جاتی ہے لیکن ہسپانیہ کے اسلامی عہد مین عمارتین تصویرون سے مزیّن کی جاتی تھین ۔ اس کے بعد علامہ اقبال قرطبہ پہنچے ۔ یہی وہ شہر ہے جو مسلم تہذیب کا سب سے بڑا مرکز تھا جس کی دس لاکھ کی آبادی میلون مین پھیلی ہوئی تھی ۔ جہان ایک آدمی دس میل تک چراغون کی روشنی مین سفر کر سکتا تھا ۔ اور جہان صرف کتابون کی بیس ہزار دوکانین موجود تھین ۔

قرطبہ پہنچنے کے بعد آپ وہان کی یگانہ روزگار مسجد مین تشریف لے گئے ۔ جو اب گرجا بن چکی ہے ۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنے گائیڈ سے کہا کہ مین یہان نماز ادا کرنا چاہتا ہون ۔ گائیڈ نے بتایا پادریون کو یہ بات ناگوار ہوگی اور وہ ہرگز اجازت نہ دین گے لیکن اقبال اس جگہ مصلّی بچھا کر بیٹھ گئے جس کو بے حد مقدس سمجھا جاتا ہے ۔ اتنے

---

[1] و [2] آئینہ اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی طبع اول لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۶

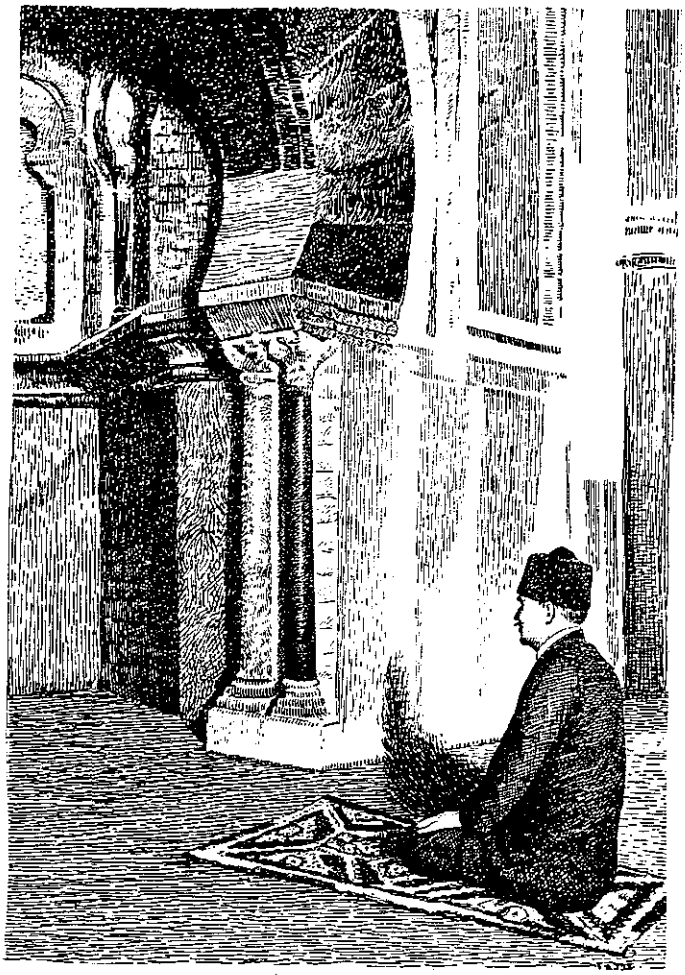

علامہ اقبال رح مسجد قرطبہ میں

مین ایک پادری آ پہنچا اور زور و شور سے احتجاج کرنے لگا ۔ اقبال نے پادری کی طرف رخ کرتے ہوئے گائیڈ سے کہا اسے بتاؤ کہ ایک دفعہ مکے مین عیسائیون کا ایک وفد کوئی التماس لے کر پیغمبر اسلام کے پاس مدینہ آیا تھا ۔ اسکے اراکین کو مسجد نبوی مین ٹھہرایا گیا ۔جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو وہ متردد تھے کہ انہین اسکی اجازت دی جائے گی یا نہین ۔ آنحضرت کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ یقیناً اپنے طور طریق کے مطابق مسجد مین عبادت کر سکتے ہین ۔ اگر عیسائیون کو پیغمبر اسلام نے اپنی ہی مسجد مین عبادت کرنے کی اجازت دی تھی تو انہین ایک ایسی جگہ اپنے طور پر نماز ادا کرنے کی اجازت کیون نہین جو کبھی آخر مسجد ہی تھی ۔ پادری نے یہ سن کر کہا کہ مین بڑے پادری سے پوچھ آتا ہون ۔ اقبال نے پادریون اور محکمہ آثار قدیمہ کے ناظم سے اجازت لے کر مسجد مین اذان دی جس کی فضا صدیون سے بے اذان پڑی تھی اور نماز پڑھی ۔ آپ کی نماز کی حالت مین ایک پادری نے تصویر بھی اتاری [1]

فقیر وحیدالدین علامہ اقبال کے ایک خط کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہین

" جب انہون نے مسجد قرطبہ مین نماز ادا کرنے کے بعد دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے تو ان پر یکایک اشعار کا نزول ہونے لگا ۔حتی کہ انہون نے پوری دعاء اشعار کی صورت مین مانگی " [2] یہی نظم بال جبریل مین " دعاء " کے عنوان سے درج ہے جس کا مطلع یہ ہے :

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤن مین ہے میرے جگر کا لہو (بال جبریل ص ۱۲۳)

---

[1] ملفوظات اقبال مرتبہ محمود نظامی طبع ۱۹۴۹ء ص ۳۱۸

[2] روزگار فقیر جلد اول مؤلفہ فقیر وحیدالدین ص ۱۳۹

اقبال کو اس بات کی خوشی تھی کہ وہ پہلے آدمی ہیں جس نے تقریباً ساڑھے چھ سو سال کے بعد اس مسجد میں اذان دی اور نماز پڑھی ۔

آثار قدیمہ کی طرف سے مسجد کی حفاظت اور نگرانی ایک جدید تحریک کا نتیجہ ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں :

" ہسپانیہ میں قومیت اور وطنیت کی ایک نئی لہر دوڑ رہی ہے ملک میں ایسے نوجوان اور فضلا نکل آئے ہیں جو ہفت صد سالہ اسلامی حکومت ہسپانیہ کے کارناموں کو فخریہ بیان کرتے ہیں اور اس دور کو اندلس کا بہترین زمانہ کہہ کر یاد کرتے ہیں ۔ اس تحریک کا نتیجہ ہے کہ مسجد قرطبہ کو کیتھولک چرچ کے مختلف فرقوں سے چھین لیا گیا ۔ حالانکہ فتح قرطبہ کے بعد عیسائیوں نے اس مسجد میں جا بجا چھوٹے چھوٹے گرجے بنا دئیے تھے اور کئی سو سال تک ان فرقوں نے مسجد کے مختلف حصّوں میں اپنی عبادت گاہیں بنالی تھیں ۔ وطنیت کی اس تحریک کا چونکہ مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے مسجد قرطبہ کو آثار قدیمہ کے محکمے کے حوالے کر دیا گیا ۔

محکمہ آثار قدیمہ ان چھوٹے چھوٹے گرجوں کو صاف کرکے مسجد کو اصل حالت میں لانے کی تدبیریں کر رہا ہے " [1]

اس ضمن میں اقبال نے حکمت الہی کی ایک دل پذیر مثال یہ سنائی کہ مسلمانوں کے اخراج کے بعد جب مسجد قرطبہ جو تعمیری جمالیات کے لحاظ سے دنیا کی نادر ترین

---

[1] اقبال کے چند جواہر ریزے از عبدالحمید طبع ۱۹۴۷ء ص ۴۳

عمارتون مین سے ہے۔ عیسائی راہبون کے قبضے مین آئی توانہون نے آیات قرآنی پر جو سنہری حروف مین مسجد کی دیوارون اور محرابون پر لکھی ہوئی تھین پلستر کرا دیا۔ آج قریباً چھ سو سال بعد جب پلستر محکمہ آثار کے حکم سے اکھاڑا جاتا ہے تو وہی نقوش اتنی شان مین دنیا کے سامنے آتے ہین۔ اگر پلستر نہ ہوتا تو یہ نقوش غالباً اس وقت بالکل محو ہوجاتے [1]

اقبال مسجد قرطبہ کے بارے مین کہتے ہین :

" میری رائے مین آج تک اس سے زیادہ خوبصورت اور شاندار مسجد روئے زمین پر نہین اس کے نقوش دیکھ کر جو لذت قرآن اور اسلام کے مفہوم کے متعلق مین نے حاصل کی وہ بیسیون تفسیرون سے حاصل نہ کر سکا " [2]

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ مسجد قرطبہ کو دیکھ کر آپ پر کیا اثر ہوا تو مین نے کہا :

" It is a commentry on the Quran witten in stones."

(یہ قرآن کی وہ تفسیر ہے جو پتھرون پر لکھی گئی ہے) [3]

اقبال نے قرطبہ شہر مین وہ غزل کہی جس کا مقطع یہ ہے :

ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر تیرا
مری نوا مین ہے سوز و سرور عہد شباب (بال جبریل ص ۵۶)

یہین انہون نے اپنی مشہور و معروف نظم " مسجد قرطبہ " لکھی ۔

---

[1] اقبال کے چند جواہر ریزے از عبدالحمید طبع ۱۹۴۷ء ص ۲۳

[2] ایضاً ص ۲۲ [3] اقبال ریویو (کراچی) یوسف سلیم چشتی جولائی ۱۹۶۲ء ص ۵۲

اقبال قرطبہ کے جس ہوٹل میں ٹھہرے تھے اس کے مالک سے انہوں نے سب سے پہلے یہی پوچھا کہ کیا اس علاقہ میں قدیم مراکشی نسل کے لوگ آباد ہیں ۔ اس نے جواب دیا ۔ بڑی تعداد میں ۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے ان میں سے کسی ایک کو ضرور ملایا جائے ۔ منیجر مسکرا کر بولا " اس کام کے لئے ہوٹل سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے میں خود مراکشی نسل سے ہوں (جنوبی ہسپانیہ کے ان باشندوں کو موسکو Morisco کہا جاتا ہے) ۔ حسن اتفاق سے آپ کو پرانی عمارتیں دکھانے کے لئے جو انگریزی دان رہبر (گائڈ) مقرر کیا گیا تھا وہ بھی مراکشی نسل سے تھا ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس علاقے میں عربی مراکشی اثر چہروں کی ساخت میں بہت نمایاں ہے چنانچہ مسجد قرطبہ کے ان اشعار میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

" آج بھی اس دیس میں عام چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دلنشیں

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے " [1]

قرطبہ سے آپ نے دو خط لکھے ۔ ایک مولانا غلام رسول مہر ۔ مدیر انقلاب لاہور کے نام اور دوسرا اپنے بیٹے جاوید کے نام ۔ پہلے خط میں صرف اتنا لکھا :

" مسجد نے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھو " [2]

دوسرے خط میں (اپنے بیٹے کو) لکھا :

---

[1] اقبال کے چند جواہر ریزے : پروفیسر عبدالحمید خان طبع ۱۹۴۷ء ص ۴۲

[2] روزنامہ " انقلاب " لاہور ۹ فروری ۱۹۳۳ء

" میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اس مسجد کو دیکھنے کے لئے زندہ رہا ۔ یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے ۔ خدا کرے تم جوان ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو " [1]

قرطبہ کے بعد اقبال ، اشبیلیہ اور غرناطہ گئے ۔ غرناطہ میں مشہور عالم قصرالحمرا دیکھا اس کے بارے میں ایک مرتبہ اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرمایا :

" مسلمانوں کی عمارات دو قسم کی ہیں : جلالی اور جمالی اور یہ دونوں قسم کی عمارات اپنے بنانے والوں کے کردار کا آئینہ ہیں ۔ جہانگیر شاہ جہان اور عالمگیر میں محبت کا عنصر زیادہ تھا ۔ اس لئے تاج محل ، شاھدرہ ، شالامار اور شاہی مسجد لاہور حسن و جمال کا مظہر بن گئیں شیر شاہ سوری پیکر جلال تھا ۔ اس لئے اس کے تعمیر کردہ قلعوں سے ہیبت برستی ہے ۔ یہی حال فراغنہ مصر کا تھا ۔ الحمرا کے بانی بنو نصر تھے جن میں شدت اور سخت گیری زیادہ تھی اس لئے الحمرا کو دیکھ کر خوف سا آنے لگتا ہے ۔ میں نے الحمرا میں ہر جگہ " ھوالغالب " لکھا ہوا دیکھا اور ایسے حصّوں کی تلاش بھی کرتا رہا جن سے انسان کے غالب ہونے کا تصوّر پیدا ہو لیکن میری یہ کوشش ناکام رہی " [2]

پھر کہا

اندلس کی بعض عمارتوں میں بھی اسلامی فن تعمیر کی اس خاص کیفیت کی جھلک نظر آتی ہے لیکن جوں جوں زندگی کے قواء شل ہوتے گئے ، تعمیرات کے اسلامی انداز میں ضعف آتا گیا ۔ وہاں کی تین عمارتوں میں

---

[1] روزنامہ " انقلاب " لاہور ۹ فروری ۱۹۳۳ء

[2] ملفوظات اقبال بمحمود نظامی (حمید احمد خان) طبع ۱۹۴۹ء ص ۱۸۵

مجھے ایک خاص فرق نظر آیا ۔ قصر زہرا دیوؤں کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے ۔ مسجد قرطبہ مہذب دیوؤں کا مگر الحمرا محض مہذب انسانوں کا " [1]

غرناطہ سے دوبارہ میڈرڈ آئے یہاں ۲۵ جنوری ۱۹۳۳ء کو میڈرڈ یونیورسٹی میں لیکچر دیا جس کا عنوان تھا " مغلیہ تہذیب کی اور موری تہذیب کا تمدنی امتزاج " جیسا کہ غرناطہ میں الحمراء کی عمارات اور ہندوستان میں شاہان مغلیہ کی تعمیرات سے ظاہر ہے " [2] اور جب مسہانیہ سے واپس آنے لگے تو نظم " مسہانیہ " کہی [3] جس کا ابتدائی شعر یہ ہے

مسہانیہ تو خون مسلمان کا امین ہے
مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں

۲۶ جنوری کو مسہانیہ سے بیرس پہنچ گئے ۔ بیرس سے یکم فروری ۱۹۳۳ء کو مہر صاحب کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا :

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم ۔ کل " انقلاب " کے بہت سے نمبر اقبال شیدائی صاحب سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی ۔ ۲۶ جنوری کو مسہانیہ کے سفر سے واپس آیا ۔ اب ۱۰ فروری کو وینس سے اطالوی جہاز " کانٹے وردی " پر سوار ہوکر ۲۲ کی صبح کو انشاءاللہ العزیز بمبئی پہنچ جاؤں گا ۔

مسہانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کی ظرف تنگ میں کیوں کر

---

[1] ملفوظات اقبال مرتبہ محمود نظامی طبع ۱۹۴۹ء صفحہ ـــــ [2] روز نامہ انقلاب لاہور ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء

[3] بال جبریل طبع مکتبہ ۱۹۶۳ء ص ۱۲۰

سما سکتا ہے ۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

چوہدری محمد حسین صاحب کی خدمت مین سلام عرض کیجئے

اور گھر مین بھی خیر خیریت بھیج دیجئے " [۱]

اقبال نے سفر ہسپانیہ کے مشاہدات وتاثرات مختلف صحبتون مین بیان کیے ہین جن مین چند باتین خاص طور سے قابل ذکر ہین ۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا

" ہسپانیہ مین مین نے ایک چیز کا بغور مشاہدہ کیا ہے اور وہ

مسلمانون کا انمٹ نقش ہے جو وہان کے در و دیوار سے ہویدا ہے

وہان کی فضا مین عربون کی نشاۃ ثانیہ (Moorish Revival)

کے آثار پیدا ہین " [۲]

ایک صحبت مین اقبال نے اس بات پر تعجّب کا اظہار کیا کہ ہسپانیہ مین کسی مسلمان کا مزار نہین ہے ۔ فرماتے ہین :

" مسلمانون نے سپین پر آٹھ سو برس حکمرانی کی لیکن اس سرزمین

مین کسی مسلمان کا نشان مزار تک نظر نہین آیا " [۳]

~~اس عجیب بات کی توجیہہ انہون نے یون کی کہ~~ ہسپانیہ مین مسلمانون سے حکومت چھن جانے کے بعد مسلمانون کی ہر چیز کو عیسائیون نے مٹا دیا یا غارت کر دیا ۔ مزارون کو زمین کے برابر کر دیا گیا ۔ اب ہسپانیہ مین صرف غرناطہ کے آخری بادشاہ ابوعبداللہ کے چچا کی قبر ایک پہاڑی پر موجود ہے (یہ بھی غرناطہ کا بادشاہ تھا) اس پہاڑی کو مولائی حسن کہتے ہین ۔ اس قبر کے سوا ہسپانیہ مین کسی مسلمان کی قبر کا نشان نہین ہے ۔

---

۱ انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار طبع مارچ ۱۹۶۷ء ص ۱۰۲

۲ ملفوظات اقبال طبع ۱۹۴۹ء ص ۳۱۹

۳ روزگار فقیر حصہ اوّل از سید فقیر وحید الدین طبع ۱۹۶۴ء ص ۲۸

سیاحت ہسپانیہ کے دوران میں ایک اور عجیب بات ان کے مشاہدے میں یہ آئی کہ اس ملک میں پرانی مساجد کی تعداد بہت ہی کم ہے ۔ ان کا خیال تھا کہ اس دو وجوہ ہو سکتی ہیں ۔ مسلمانوں کے ہسپانیہ سے اخراج کے بعد تعصب کی وجہ سے عیسائیوں نے ان تمام مساجد کو سخت بیدردی سے گرا دیا ہوگا اور یا خود مراکشی اندلسی مسلمانوں کو ہے ضرورت مساجد تعمیر کرنے کا وہ شوق نہ تھا جو ہندوستان کے مسلمانوں کو ہے [1]

علامہ اقبال کی دوسری توجیہہ تو غالبا درست نہیں ہے کیونکہ ہمیں تاریخ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس ملک میں بے شمار مسجدیں تھیں ۔ صرف قرطبہ میں مساجد کی تعداد سات سو بیان کی گئی ہے ۔ البتہ پہلی وجہ جو بیان ہوئی ایک تاریخی حقیقت ہے جب ۲۵ فروری کو لاہور تشریف لے آئے [2] تو اس کے دوسرے دن یعنی ۲۶ فروری ۳۳ء کو ان کا ایک بیان روزنامہ "انقلاب" میں شائع ہوا جس میں ہسپانیہ کی سیاحت کا ذکر تھا اس بیان کا ایک اقتباس درج ذیل ہے ۔

" یورپ کے مختلف ممالک میں بسنے اور موجودہ زمانے کی اخلاقی ابتری دیکھنے کے بعد میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کو بحیثیت دین قبولیت پانے کا یہ بہترین وقت ہے ۔ آج لاکھوں نہیں کروڑوں یورپ کے مرد اور عورتیں اسلام اور اس کے کلچر کی تعلیمات سمجھنے کے خواہاں ہیں ۔ نوجوان جس قدر جلد اس حقیقت کو سمجھ لیں اتنا ہی اچھا ہے ۔ یورپ کے مسلمان اب اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں ۔ وہ آئندہ اگست میں جینوا میں ایک کانفرنس منعقد کر رہے ہیں جس کے

---

[1] ۔ آثار اقبال مرتبہ غلام دستگیر طبع ۱۹۴۲ء ص ۷۷

[2] ۔ روزنامہ "انقلاب" لاہور ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء

اغراض و مقاصد محض معاشرت اور کلچر تک محدود ہونگے ۔
مجھے امید ہے ایشیا اور افریقہ کے مسلمان کانفرنس کو کامیاب بنانے
میں دلی تعاون پیش کرینگے ۔

میں نے قرطبہ ۔ غرناطہ ۔ اشبیلیہ ۔ طلیطلہ اور میڈرڈ کی
سیاحت کی اور قرطبہ کی تاریخی مسجد اور غرناطہ کا قصر الحمرا
کے علاوہ میں نے مدینۃ الزہرا کے کھنڈر بھی دیکھے ۔ یہ مشہور عالم
تخت عبدالرحمٰن ثالث نے اپنی چہیتی بیوی زہرا کے لئے ایک پہاڑ پر
تعمیر کرایا تھا ۔ آج کل یہاں کھدائی کا کام جاری ہے ۔ بارھویں
صدی عیسوی میں ایک مسلمان موجد نے سب سے پہلے اس جگہ پر ایک
ہوائی جہاز کا مظاہرہ کیا تھا ۔ وہاں پر منچلے اور لوگوں کے وزیر تعلیم
ہسپانیہ سے بھی ملاقات ہوئی ۔ یہ صاحب ہسپانیہ کی موجودہ روایات
کے خلاف بہت خلیق اور روشن خیال ہیں ۔ ان کے علاوہ "ڈوائن کامیڈی
اینڈ اسلام" کے شہرۂ آفاق مصنف پروفیسر آسن سے بھی ملنے کا
اتفاق ہوا ۔

جنوبی اسپین میں رہنے والے لوگ اپنی موری الاصل ہونے اور
اسلامی تہذیب کی عظیم الشان یادگاروں کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے
ہیں ۔ اب پھر ملک میں بیداری کی ایک لہر دوڑ رہی ہے اور تعلیم
کی ترقی کے ساتھ اسے اور بھی فروغ حاصل ہوگا ۔ لوتھر کی اصلاحی
تحریک ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ یورپ کے مختلف ممالک میں اب بھی
یہ تحریک بہت خاموشی سے اپنا کام کر رہی ہے اور بالخصوص ہسپانیہ

مین پادریون ہسپانیہ کا اثر آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہے " [1]

اخبار " خلافت" بمبئی کے نامہ نگار نے ہسپانیہ کے بارے مین اقبال سے کچھ سوالات تھے ۔ ان کے جواب مین اقبال نے جو بیان دیا اس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہین :

" مجھے لندن مین اسپین جاکر لیکچر دینے کی دعوت ملی تھی ۔ اسلام کے اس مرکز کو دیکھنے کا مجھے پہلے ہی سے شوق تھا ۔ اس لئے مین نے دعوت قبول کرلی ۔ مجھے وہان پہنچنے سے پہلے تقریر کے موضوع کا کوئی علم نہ تھا ۔ البتہ خواہش یہ تھی کہ ایسا موضوع ملے جس پر تقریر کرتے ہوئے مین اسلامی ثقافت وتمدن اور اسلامی فلسفہ پر کچھ کہہ سکون ۔ وہان پہنچنے پر پروفیسر آسن کو مین نے انتخاب مضمون کا اختیار دے دیا ۔ اتفاق سے انہون نے وہی مضمون تجویز کیا جس کا مین خود خواہش مند تھا یعنی

" اسپین اور فلسفہ اسلام "

میرا لیکچر میڈرڈ کی جدید یونیورسٹی مین ایک گھنٹہ تک جاری رہا جس مین مین نے اسپین کے مسلمانون کے تمدن فلسفہ اوران کی تہذیب کے مختلف پہلوؤن کی تشریح وتفسیر بیان کرتے ہوئے حاضرین سے اپیل کی کہ سنی سنائی باتون پر یقین نہ کرین ۔ نہ ہسپانیون کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہون بلکہ عربون کی تاریخ کا مطالعہ کرین ۔

مین نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ملک کے متعدد مشہور تاریخی مقامات و آثار کا بہ نظر غائر معائنہ کیا مین اپنے تاثرات کا اظہار الفاظ مین

---

[1] روزنامہ " انقلاب " لاہور ۲٦ فروری ۱۹۳۳ء

نہیں کر سکتا ۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح یہودیوں کے لئے ارض موعودہ فلسطین ہے ۔ اسی طرح عربوں کے لئے غالباً اسپین کی سرزمین موعودہ تھی ۔ اس قدر خوبصورت اس درجہ پر فضا اور ایسا آرام دہ ملک .....

پروفیسر آسن عربی زبان کے پروفیسر اور بہت ہی خوش خلق و ملنسار آدمی ہیں ۔ ان کا ایک شاگرد قرطبہ کی قدیم یونیورسٹی کا پرنسپل ہے ۔ اس یونیورسٹی میں عربی تعلیم پر بہت زور دیا جا رہا ہے "

ایک سوال کے جواب میں اقبال نے فرمایا :

" اس وقت تو وہاں کوئی مسلمان نہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقہ اب عربی النسل ہونے پر فخر کا اظہار کرنے لگا ہے اور ہر اچھی چیز کو عربی کہہ دیتا ہے ۔ یعنی ان میں اسلام کی طرف سے بغض و عناد کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ اسلامی تہذیب و تمدن اور فلسفہ و مذہب کا مطالعہ بڑے ذوق سے کرتے ہیں ۔ اسپین میں اکثریت رومن کیتھولک کی ہے لیکن یہ مذہب روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے گرجے آباد تو ہیں مگر ان میں غریب طبقہ جاتا ہے ۔ یہ حالت تو تقریباً ہر یورپین ملک کی ہے "

عربوں کے زمانے کی عمارتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا

" جن مسجدوں کو گرجا میں تبدیل کر دیا گیا تھا ۔ وہ اب تک مسجدوں کی شکل میں نہیں آئیں ۔ البتہ چند مسجدیں واگزاشت ہوگئیں اور باقی کے

متعلق امید ہے کہ تعصّب و عناد کی کمی ہونے پر واگزاشت ہوجائیں گی ۔ اسپین کی زبان میں اب تک عربی الفاظ بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں ۔ " آل " تو اکثر الفاظ میں ملا ہوتا ہے "

اقبال نے آخر میں یہ مشورہ دیا

" ضرورت ہے کہ یہاں سے دو چار ایسے تعلیم یافتہ طلبا اسپین بھیجے جائیں جو فلسفہ الہیات ، عربی تمدن ۔ اسلامی تاریخ اور مذہب سے اچھی طرح واقف ہوں تاکہ وہ اسلام کا صحیح نمونہ پیش کر سکیں " [1]

۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء کو اقبال نے محمد اکرام کو خط لکھا جس میں ہسپانیہ کی سیاحت کے تاثرات مرقوم ہیں ۔ اس خط کا ایک اقتباس درج ذیل ہے :

" آج صبح دہلی سے واپسی پر عنایت نامہ موصول ہوا ۔ یاد آوری کے لئے ممنون ہوں ۔ ہسپانیہ پر نظم یوں تو تمام تر پر سوز ہے لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دلگداز ہیں ۔ میں اسے محفوظ رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ اشعار اردو میں منتقل ہو سکیں ۔ میں اپنی سیاحت اندلس سے بے حد لذت گیر ہوا ۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر لکھی جو کسی وقت شائع ہوگی ۔ الحمرا کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو پہلے مجھے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی ۔ میڈرڈ یونیورسٹی کے ارباب اختیار نے مجھ سے

[1] آئینہ اقبال مرتبہ عبداللہ قریشی طبع ۱۹۶۷ء ص ۱۷

درخواست کی کہ میں " مسلمانیہ اور عالم اسلام کا ذہنی ارتقاء "
کے زیر عنوان ایک لیکچر دوں ۔ یہ لیکچر نہایت پسند کیا گیا ۔ پروفیسر
آسن نے جو Divine Comedy and Islam کے مصنف ہیں
بحیثیت صدر اپنی افتتاحی تقریر میں میری تعریف و توصیف میں خوب
مبالغہ کیا ..... " [1]

جامعہ ملیہ دہلی کی طرف سے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے علامہ اقبال کو سیاحت یورپ کے بارے میں ایک لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا چنانچہ علامہ صاحب نے ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء کے خط میں نیازی صاحب کے ذریعے یہ پیغام بھیجا :

" سید ذاکر حسین صاحب سے کہہ دیجئے کہ میں ۴ اپریل کو مسئلہ ایجوکیشن پر وائسرائے کے مہمان کانفرنس ہے ۔ اس کانفرنس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا ہے کیونکہ لندن میں جو سب کمیٹی اس کے لئے بنی تھی اس کا میں بھی ممبر تھا ۔ غالباً دو تین روز یا ممکن ہے ایک ہی روز یہ کانفرنس رہے ۔ ذاکر صاحب ۱۵ اپریل کو میرا لیکچر رکھ سکتے ہیں جس کا عنوان ہوگا :

From London to Granada.

اقبال ۵ اپریل کو دہلی تشریف لائے ۔ اسی شام کو تقریر ہوئی ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین بحیثیت صدر جلسہ اور شیخ الجامعہ علامہ اقبال کا تعارف کرایا ۔ علامہ اقبال نے اپنی تقریر میں لندن سے غرناطہ تک کے سفر کے حالات بتائے ۔ برگسان سے ملاقات کا ذکر بھی کیا ۔ پھر اندلس ، الحمرا اور قرطبہ کے متعلق بتاتے رہے ۔ لیکچر کے خاتمے پر ان سے

---

[1] مکتوبات اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی طبع ۱۹۵۷ء ص ۱۰۶

تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی گئی ۔ اقبال نے مسجد قرطبہ کے مندرجہ ذیل دو بند تحت اللفظ سنائے جس وقت آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے سارے مجمعے پر وجد کا عالم طاری تھا ۔

کعبہ

کعبۂ ارباب فن سطوت دین مبین
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمین
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق ! وہ عربی شہسوار
حامل " خلق عظیم " صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے
دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ ! کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں !

دیکھ چکا المنسی شورش اصلاح دین
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشان

حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی ہے فکر کی کشتیٔ نازک رواں

چشم فرانسیسی بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں

ملت روسی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدید وہ بھی ہوئی پھر جواں

روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

دیکھتے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا [1]

---

[1] اقبال رئیس احمد جعفری ص ۲۹ ـ ۳۰ ـ ۳۱

چوتھا باب

اقبال اور ہسپانوی شخصیات

ہسپانیہ کی تاریخ ۔ ادب اور آثار اقبال کے لئے خاص طور پر مصدر الہام تھے ۔ علاوہ ازیں ہسپانیہ کی بہت سی شخصیتوں کے ساتھ اقبال کو دلی وابستگی ہے ۔ مثلاً ہسپانیہ کے حکمرانوں میں عبدالرحمٰن الداخل اور معتمد بن عباد کی شخصیت سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے ۔ ان کے علاوہ اقبال نے اپنے خطوط لیکچر اور مضامین میں جن ہسپانوی علماء و مفکرین کا ذکر کیا ہے ۔ ان میں محی الدین ابن عربی ۔ علامہ ابن خلدون ۔ ابن رشد ۔ ابن باجہ اور موسیٰ بن میمون قرطبی وغیرہ شامل ہیں ۔ ان شخصیات سے اقبال کے ذہنی روابط کی وضاحت کے لئے ان کا مفصّل تعارف ضروری ہے ۔

عبدالراحمٰن الداخل : عبدالرحمٰن ۔ ہسپانیہ کا پہلا اموی حکمران تھا ۔ شام میں جب بنوعباس نے بنی امیّہ سے عنان اقتدار چھین لیا تو انہوں نے اموی خاندان کے افراد کو قتل کرنا شروع کر دیا ۔ لہذا بہت سے اموی بھاگ کر ادھر ادھر چھپ گئے ۔ اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے اشتہار جاری ہوا کہ سب کو امان دی جاتی ہے ۔ ستر کے قریب اموی واپس آگئے لیکن ان کو ایک دعوت میں قتل کر دیا گیا اور ان کی لاشوں پر دسترخوان سجایا گیا ۔ عبدالرحمٰن نے ایک آدمی کو اس دعوت کا نطل معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا ۔ وہ یہ حال دیکھ کر واپس آرہا تھا کہ عباسی سپاہیوں کو پتا چل گیا اور انہوں نے اسے بھی پکڑ کر قتل کر دیا ۔ عبدالرحمٰن اور اس کا بھائی یحییٰ دونوں وہاں سے بھاگے ۔ یحییٰ پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا ۔ عبدالرحمٰن اپنے ایک اور بھائی کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے ایک باغ میں چھپا ہوا تھا کہ عباسی سپاہی آگئے اور انہوں نے باغ کو گھیرے میں لے لیا ۔ دونوں بھائیوں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں ۔ کنارے پر کھڑے سپاہیوں نے ان کو آواز میں دیں کہ واپس آجاؤ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا ۔

چھوٹا بھائی ان کی باتوں پر یقین کرکے واپس کنارے پر آگیا ۔ عبدالرحمٰن[1] جب دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے ۔ یہاں سے وہ افریقہ بھاگ گیا اور نفزہ نامی بربری قبیلے میں جہاں اس کی ننھیال تھی پناہ گزین ہوا ۔ عبدالرحمٰن[1] اگر آرام طلب ہوتا تو ایک معمولی آدمی کی طرح گمنامی کی زندگی بسر کرتا لیکن بیس برس کے اس نوجوان کے دل و دماغ میں بڑے بڑے عزم اور حوصلے بھرے ہوئے تھے ۔

آخر افریقہ کا والی بھی امویوں کے خلاف ہوگیا اور عبدالرحمٰن[1] کو ناچار پھر بھاگنا پڑا ۔ مسلسل پانچ برس تک وہ چھپتا پھرا لیکن ہمت نہ ہاری ۔ آخر ہسپانیہ کے اموی امراء سے ساز باز کرکے ۱۳۸ھ میں ہسپانیہ میں جا اترا ۔ قسمت نے یاوری کی ۔ بالآخر اس نے ہسپانیہ کی بادشاہت حاصل کرلی ۔

عبدالرحمٰن[1] بڑا زبردست اولوالعزم اور بہادر تھا ۔ کڑی سے کڑی آزمائش سے کبھی نہیں گھبرایا ۔ ڈاکٹر سید محمد یوسف صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی کا خیال ہے کہ عبدالرحمٰن[1] الداخل کا لقب (صقر قریش) اور اس کی شان جلالی اقبال کے تصور شاہین کا ماخذ معلوم ہوتی ہے [1]

عبدالرحمٰن[1] شاعر بھی تھا ۔ اس نے عربی شاعری کی روایت کے مطابق فخریہ اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے :

" میں وہ ہوں جو عزم کی تلوار سونت کر چلا اور دشمنوں کے مقابلے میں شمشیر برہنہ ہوگیا ۔

---

[1] سہ ماہی اقبال لاہور اکتوبر ۱۹۶۸ء ص ۲۰

بیابانوں سے گزرتا اور سمندروں کو چیرتا چلا گیا

فوجوں سے بے سر و سامانی سے نبرد آزما ہوا

تا آنکہ بلند کارنامہ انجام دیا اور بہ زور ایک ملک اور ایک

منبر قول فیصل کا چھین لیا ۔

لشکر جو نابود تھا اسے از سر نو منظم کیا اور جو شہر خالی ہو

چکے تھے انہیں آباد کیا " [1]

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور ، عبدالرحمٰن الداخل کا سب سے بڑا حریف اور سب سے بڑا مداح تھا ۔ ان ابیات میں عبدالرحمٰن نے جو کچھ اپنی بابت کہا ہے اس کی تصدیق تقریباً انہیں الفاظ میں اس کے انصاف پسند حریف سے منقول ہے :

ایک دفعہ منصور نے اپنے ندیموں سے پوچھا بتاؤ " صقر قریش " کون ہے ؟ انہوں نے کہا امیرالمؤمنین ہی ہیں جنہوں نے بادشاہوں کو زیر کیا ۔ خلفشار دور کیا ۔ دشمنوں کا خاتمہ کیا اور مفاسد کا قلع قمع کیا ۔ منصور نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ۔ انہوں نے کہا تو پھر معاویہ ؟ اس نے کہا وہ بھی نہیں ۔ انہوں نے کہا تو پھر عبدالملک بن مروان ؟ اس نے کہا یہ بھی کوئی بات نہ ہوئی ۔ انہوں نے کہا پھر امیرالمؤمنین کون ہو سکتا ہے ؟ اس نے کہا " صقر قریش " تو عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے جس نے سمندر پار کئے بیابان طے کئے اور تنہا ایک عجمی ملک میں داخل ہو کر شہر آباد کئے ۔ لشکر منظم کئے ۔ دفاتر ترتیب دئیے اور سب کچھ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حسن تدبیر اور زور بازو سے ایک بڑی سلطنت قائم کی ۔ معاویہ نے تو ایک ایسی سواری کو قابو کیا جس

---

[1] سہ ماہی " اقبال " لاہور اکتوبر ۱۹۶۸ء ص ۱۹

پر انہیں عمر اور عثمان نے بٹھایا تھا اور خوب سدھا دیا تھا ۔ عبدالملک کے پاس بیعت تھی جس کی گرہ خوب مضبوط تھی ۔ امیرالمؤمنین (منصور) کے حق میں خاندان والوں کا اصرار اور طرف داروں کا اجماع تھا ۔ اور عبدالرحمٰن[1] تو تنہا تھا ۔ اس کی تائید میں تو صرف اس کی رائے تھی اور اس کا ساتھ دینے والا صرف اس کا عزم تھا ۔ اس نے مضبوط بنیادوں پر اندلس میں خلافت قائم کی ۔ سرحد میں فتح کیں ۔ بے دینوں کو قتل کیا اور بڑے بڑے باغیوں کو زیر کیا ۔ اس پر حاضرین بولے " بخدا ، امیرالمؤمنین آپ نے بالکل سچ کہا "[1]

" صقر " (شاہین) ان تمام صفات کی علامت ہے جو عبدالرحمٰن[1] الداخل کی سیرت اور اس کے کارناموں میں جلوہ گر ہیں ۔ ان کو سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ اقبال کے شاہین کا اس " صقر قریش " سے کتنا قریبی تعلق ہے ۔ عبدالرحمٰن[1] کی شخصیت کے جمالی پہلو پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد یوسف لکھتے ہیں :

" عبدالرحمٰن[1] اعلیٰ ادبی ذوق رکھتا تھا اور خود بلند پایہ شاعر تھا ۔ غم نے اس کی جوانی کو لطف خواب سے بیدار کیا تھا ۔ زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے ان کے احساس میں اتنی ہی تیزی گہرائی لطافت اور نزاکت آگئی تھی جتنی کہ عقل میں پختگی اور طبیعت میں اولوالعزمی اور خود اعتمادی ۔ ماضی کی کسک ہو یا حال کی ترنگ یا مستقبل کی امنگ وہ اپنے احساس میں ڈوب کر شعر کہتا ہے ۔ اس کے رومان میں ایک حیویت ہے جو صرف مردان عمل کا خاصہ ہے "[2]

کھجور کے درخت کی عربی شاعری میں جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ۔ عربی شاعری کا اثر ایرانی شاعری پر پڑا اور پھر فارسی شعراء کا اثر اردو شاعری پر ۔ اس کا

---

۱ ۔ سہ ماہی "اقبال" لاہور اکتوبر ۱۹۶۸ء ص ۱۹ ۔ ۲۰ [1] ایضاً ص ۱۶ [2]

نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی اور اردو شاعری مین بھی کھجور کا ذکر اکثر آتا ہے ۔ اقبال نے تو براہ راست عربی ادب سے استفادہ کیا تھا ۔ اس لئے ان کے کلام مین عربی شاعری کے بہت سے عناصر موجود ہین ۔ چنانچہ کھجور کا درخت بھی ان کے یہان کئی جگہ تشبیہ و استعارہ کے پیرایے مین آیا ہے ۔ مثلاً

تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش

اور آبادی مین تو زنجیرئی کشت و نخیل (بانگ درا ص ۲۹۲)

ع " مجھ کو نہ تھی خبر کہ ہے علم نخیلِ بے رطب " (بال جبریل ص ۱۵۵)

مسجد قرطبہ مین تو کھجورون کے جھنڈ کا تصور ایک حسین تشبیہ کی صورت مین رونما ہوا ہے :

تیری بنا پائدار تیرے ستون بے شمار شام کے صحرا مین ہو جیسے ہجوم نخیل (بال جبریل ص ۱۳۰)

یہ تو اقبال کا ذکر تھا جس کے وطن مین کھجور کا درخت ناپید ہے اور عبدالرحمٰن پر کیا گزرتی ہوگی جو کھجورون کے جھنڈون کو چھوڑ کر پردیس مین آبسا تھا ۔ اندلس اگرچہ باغون اور سبزہ زارون سے بھرا ہوا تھا لیکن ایک کھجور کا درخت نہ ہونے سے عبدالرحمٰن کو یہ ملک اجنبی لگتا تھا ۔ عبدالرحمٰن نے قرطبہ کے شمال مغرب مین ایک باغ لگوایا اور اس کا نام بھی وہی رکھا تھا جو شام مین اس کے دادا ہشام نے اپنے باغ کا رکھا تھا یعنی " رصافہ " ۔ رصافہ مین عبدالرحمن نے کئی ملکون سے بے شمار پودے منگوا کر لگائے ۔ شام سے اپنی بہن کے ذریعے جو وہین رہ گئی تھی کھجور کا پودا بھی منگوایا اور اسے اس باغ مین لگوایا تاکہ پردیس مین کچھ تو وطن کی جھلک نظر آئے ۔

ڈاکٹر محمد یوسف نے عبدالرحمٰن[1] کے اس فعل کی رومانی توجیہہ کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

" اس رومان میں کیسی طہارت اور پاکیزگی ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فرصت کے اوقات میں وہ ٹکٹکی باندھ کر اس کھجور کے درخت کو دیکھا کرتا تھا لیکن وہ بت کی طرح اس کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اس کے وجود سے اپنے احساس سے گرمی اور تیزی پیدا کرتا ہے ۔ پھر اس مظہر فطرت کو اپنی زندگی اور احساس بخشتا ہے ۔ یہی رومان کی حیویت ہے " [1]

عبدالرحمٰن[1] جب اکیلا ہوتا تھا تو اکثر باغ رصافہ میں ٹہلتا اور جب بھی اس کی نظر کھجور کے درخت پر پڑتی وہ فوراً اس کے قریب آجاتا اور اس کے جذبات بے اختیار ایسے شعروں کی صورت میں نمودار ہوتے جو اپنی سادگی اور تاثیر میں بے مثال ہیں ۔ اس کی بہت سی نظمیں کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں اور ہر زبان کے اہل علم نے ان کی تعریف کی ہے ۔ عبدالرحمٰن[1] کھجور کے درخت کو دیکھ کر اپنے جذبات و احساسات کو لفظوں میں یوں پیش کرتا ہے

(۱) تبدّت لنا وسط الرصافه نخلة
تنأت بارض الغرب عن بلد النخل

(۲) فقلت شبیهی بالتغرّب والنوی
وطول الکتابی عن نبی وعن اهلی

(۳) نشات بارض انت فیه غریبة
فما انت فی الاقصاء والمنای مثلی [2]

---

[1] سہ ماہی اقبال اکتوبر ۱۹۵۸ء ص ۱۷

[2] سلطان یورپ میں تالیف احسان الحق سلیمانی ص ۵۶

ترجمہ :

(۱) رصافہ کے وسط میں ہمیں کھجور کا تنہا درخت نظر آیا جو اپنی دنیا سے علیحدہ ہوکر مغرب کی سر زمین میں اگ آیا ہے ۔

(۲) میں نے درخت سے مخاطب ہوکر کہا تو اجنبیت جدائی اور اہل وعیال سے طول فرقت میں میرے جیسا ہے ۔

(۳) تو ایسی سر زمین میں پل رہا ہے جہاں تو اجنبی ہے ۔ اپنے جنم بھومی سے دوری میں تو میری مانند ہے ۔

ایک اور نظم میں اپنے کھجور کے درخت سے مخاطب ہوکر کہتا ہے :

(۱) یا نخلہ انت فریدۃ مثلی
فی الارض نائیہ الا ھل

(۲) تبکی وھل تبکی مکتبہ
عجماء لد تجبل علی جبل

(۳) ولوانھا عقلت اذا البکت
ماء الفرات ومنبت النخل

(۴) لکنھا حرمت واخرجنی
بغضی بنی العباس من اھلی [1]

ترجمہ :

(۱) اے نخل تو مغرب میں میری طرح غریب الوطن اور اصل سے دور ہے تو بھی رو مگر بے گونگی ہو منہ ڈھانکے ہوئے اور جس کی جبلت میں آہ و زاری نہ ہو وہ بھی کبھی

---

[1] تاریخ اسپین ترجمہ سید محمد احمد طبع ۱۸۹۸ء ص ۸

روئی ہے ؟

(۲) اگراسے رونا آتا ہوتا تو وہ بھی ضرور روتی ۔فرات کے پانی اور کھجور کی سرزمین کے لئے ۔

(۳) لیکن وہ بے حس ہے اور اپنے اہل خاندان کی بابت میں بھی بے حس ہو گیا ہوں یہ سب اس بغض کے جو مجھے بنوعباس سے ہے ۔

اقبال عبدالرحمٰن[1] کے ان اشعار سے متاثر ہوئے اور ان کا آزاد ترجمہ اردو میں یوں کیا :

میری آنکھوں کا نور ہے تو — میرے دل کا سرور ہے تو

اپنی وادی سے دور ہوں میں — میرے لئے نخل طور ہے تو

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا — صحرائے عرب کی حور ہے تو

پردیس میں نا صبور ہوں میں — پردیس میں ناصبور ہے تو

غربت کی ہوا میں بارور رہو

ساقی تیرا نم سحر ہو (بال جبریل ص ــــ)

نظم کا یہ پہلا بند تو عبدالرحمٰن[1] کے اشعار کا ترجمہ ہیں لیکن دوسرا بند اقبال کا اپنا ہے :

عالم کا عجیب ہے نظارہ — دامان نگہ ہے پارہ پارہ

محبت کو شناوری مبارک — پیدا نہیں بحر کا کنارہ

ہے سوز درون سے زندگانی — اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبح غربت میں اور چمکا — ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہان کی حد نہیں ہے

مومن کا مقام ہر کہیں ہے

اقبال کی نظم کا یہ دوسرا بند عبدالرحمٰن الداخـــل کے کردار پر تبصرے کی حیثیت رکھتا ہے ۔

معتمد بن عباد :

اقبال معتمد کے حالات زندگی سے بہت متاثر تھے کیونکہ انہیں ہر اس انسان سے محبّت ہے جو غیور و جسور ہو خواہ وہ ٹیپو سلطان ہو یا معتمد بن عباد ۔

معتمد کسی عظیم سلطنت کا بادشاہ نہ تھا ۔ اس کی شہرت کا سبب اس کا شاعرانہ مزاج اور فن کارانہ خصوصیات جو عموماً بادشاہوں میں نہیں پائی جاتیں اس کا مقابلہ مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے کر سکتے ہیں ۔ دونوں شاعر تھے اور دونوں کو معزول کرکے نظر بند کیا گیا ۔ فرق یہ تھا کہ بہادر شاہ کی گرفتاری کو غیروں کے ہاتھوں ہوئی تھی لیکن معتمد اپنوں کے ہاتھوں پابند سلاسل ہوا اور جس طرح ہندوستان کے مسلمان بہادر شاہ کو یاد کرکے روتے تھے اسی طرح ہسپانیہ اور دیگر عرب ممالک کے مسلمان معتمد کے ماتم گسار رہے ۔ اور اسے ایک ہیرو کا مقام حاصل ہوگیا ۔

معتمد نہایت حساس انسان اور نازک خیال شاعر تھا ۔ اس کا کلام اس کی زندگی کا آئینہ اور اس کے حسّاس دل کی نازک کیفیات و جذبات کا مرقع ہے اور یہی چیز اقبال کی دلچسپی کی وجہ بنی ۔ معتمد نے قید خانے میں جو نظمیں کہی ہیں ان سے اقبال جیسے صاحب درد کا متاثر ہونا لازمی تھا ۔

معتمد ۴۳۲ ہجری میں پیدا ہوا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہسپانیہ میں مسلمان " طاؤس و رباب آخر " کے مرحلے سے گزر رہے تھے اور مسلمان امرا کی زندگی عیش و نشاط کے لئے وقف تھی

ہوکر رہ گئی تھی ۔ معتمد بھی اسی حال کا پروردہ تھا اس لئے اسکی زندگی سیاسی کارنامون سے خالی ہے ۔ البتہ شعر و فن کا میدان ایسا ہے جس مین اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا ۔ گیارہ برس کی عمر مین اس کے باپ نے اسے صوبہ ولبہ کا حاکم مقرر کر دیا تھوڑے عرصے کے بعد محاصرہ شلب مین لشکر اشبیلیہ کی سپہ سالاری سپرد ہوئی ۔ اس زمانے مین معتمد کی ملاقات محمد بن عمار سے ہوئی جس کا اس کی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑا ۔ محمد بن عمار بھی شاعر تھا ۔ ہم مشربی اور ہم مذاقی کی وجہ سے معتمد اسے بہت چاہتا تھا ۔ معتمد کی محبوب ملکہ رمیکیہ بھی شاعرہ تھی جس سے وہ انتہا درجے کی محبت کرتا تھا ۔ ۲۹ سال کی عمر مین معتمد اپنے باپ معتضد کے تخت پر بیٹھا ۔ عیش پرستی اور فن دوستی کے باوجود معتمد کی فطرت مین جرات و شہامت کے جوہر موجود تھے ۔ اس نے اپنی بعض نظمون مین رجز خوانی کی ہے اور اپنی فتوحات پر تفاخر کا اظہار کیا ہے ۔ ۲۶۳ھ مین معتمد نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا تو اس معرکے کو نظم مین یون بیان کیا ہے :

" مین نے پہلے ہی حملے مین خوبصورت قرطبہ کو حاصل کر لیا ۔ قرطبہ وہ بہادر عورت تھی جو ہمیشہ تلوار اور برچھی سے ان لوگون کو جو اس سے شادی کرنا چاہتے تھے دور رکھا کرتی تھی اور اب مین اس کے قصر مین شادی رچاتا ہون ۔ دوسرے نامراد اور میرے رقیب بادشاہ روٹے اور خوف سے کانپتے ہین ۔

اے نفرت کے قابل دشمنون !

تمہارا خوف سے لرزنا درست ہے

کیون کہ کوئی دم مین شیرتم پر جست کرنےوالا ہے " [1]

معتمد نے اکثر نظمون مین اپنے آپ کو " ایک شیر " سے تشبیہہ دی ہے۔

جب مرابطین نے معتمد کی سلطنت پر قبضہ کرلیا اور اسے گرفتار کرلیا گیا تو یہین سے اس کی شاعری کا آغاز ہوا جوحزن وملال سے لبریز ہے۔ معتمد کی حبسیہ نظمین عربی شاعری کی سادگی وحقیقت نگاری کا بہترین نمونہ ہین ۔ گرفتاری سے لے کر آخری دم تك اسے جن جن مراحل سے گزرنا پڑا اور قید وبندکی جو صعوبتین جھیلنی پڑین ان سب کی مفصل روداد نہایت مؤثر اور دلکش پیرائے مین معتمد نے بیان کی ہین۔ معتمد کو اشبیلیہ مین گرفتار کیا گیا۔اشبیلیہ کے محاصرے کے دوران مین اس نے ایك نظم لکھی جواس کی حبسیہ شاعری کا نقطۂ آغاز ہے ۔ اس نظم کا ترجمہ درج ذیل ہے:

جب میرے آنسو بند ہوئے اور دھکتے ہوئے دل کو سکون ہوا تو لوگون نے کہا
کہ رضا قضا مقتضائے سیاست ہے۔

لہذا تیری جانب سے مرابطین کے لئے اطاعت ظاہر ہونی چاہئیے لیکن واقعہ
یہ ہے کہ اس جام ذلت سے زہر ہلاہل میرے لئے شیرین ہے ۔

اگر دشمنون کی قوم نے میرا ملك چھین لیا اور فوج نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے
پھر بھی دل اپنے پسلیون کے درمیان موجود ہے ۔

اور پسلیون نے دل کو نہین چھوڑا ہے

ہم نے دشمنون سے جنگ کے دن یہ ارادہ کیا کہ زرہین میری حفاظت نہ کرین
اور اس حالت سے باہر نکلے کہ قمیص کے سوا میری جان کی حفاظت کرنے والی

---

[1] عبرت نامۂ اندلس مصنفہ Il رائن ہارٹ ڈوزی ترجمہ عنایت اللہ دہلوی طبع ۱۹۶۲ ء ص ۱۰۸۰

دوسری کوئی چیز نہیں تھی اور ہم نے اپنے نفس کو اس لئے وقف کر دیا ہے
کہ جب اس سے کچھ نکلے تو خون نکلے
میری ذلت و رسوائی اس کو نہیں چاہتی تھی ہم کبھی قتال میں اسی طرح
نہیں گئے کہ ہم کو واپس آنے کی امید ہو۔
ہم جن لوگوں سے ہیں ان کی یہی خصلت تھی
اور فروع اپنے اصل کا اتباع کرتی ہے۔ [1]

جب معتمد کو گرفتاری کے بعد اشبیلیہ سے طنجہ (افریقہ) لے جایا گیا ۔ طنجہ سے مرابطین اسے مکناسہ لے گیا اور بالآخر اغمات کے مقام پر اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا جب معتمد کو طنجہ سے مکناسہ پہنچایا جا رہا تھا راستے میں بہت سے آدمی بارش کی دعا کے لئے مسجد کی طرف جاتے ہوئے ملے ۔ معتمد نے انہیں دیکھ کر فی البدیہہ یہ اشعار کہے جو اس کے حسن خیال اور حسن بیان کی پوری نمائندگی کرتے ہیں :

ترجمہ :

لوگ جو مینہ کی دعا مانگنے والے تھے
جب مجھے ملے
تو میں نے کہا ! کہ میرے آنسو مینہ کی جھڑی کا کام دے سکتے ہیں
ان لوگوں نے جواب دیا
کہ یہ تو درست ہے کہ آپ کے آنسو ضرور کافی ہوں گے
لیکن مشکل تو یہ ہے کہ ان میں خون ملا ہوا ہے ۔ [2]

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ حصہ دوم مصنفہ ابن الخطیب ترجمہ سید احمد ندوی طبع ۶۱ع ص ۱۱۰ ـ ۱۱۱

[2] عبرت نامہ اندلس مصنف رائن ہارٹ ڈوزی ترجمہ عنایت اللہ دہلوی طبع ۶۲ع ص ۱۱۷۷

افغات میں معتمد اسی طرح اسیری کے دن کاٹتا رہا کہ کبھی بیڑیاں کٹ جاتیں کبھی پہنا دی جاتیں ۔ ایک روز قید خانے کی کھڑکی سے پرندوں کا ایک جھنڈ اڑتے ہوئے دیکھا تو اس کا تخیل اس طرح مائل پرواز ہوا :

"جب میں نے قطا کا ایک جھنڈ آسمان پر اڑتے دیکھا

تو میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے

وہ آزاد تھے

قید خانے اور بیڑیوں سے واقف نہ تھے

میرے آنسوؤں کا باعث رشک نہ تھا بلکہ اس بات کی خواہش تھی

کہ میں بھی انہی کی طرح آزاد ہوتا

اگر مجھے اپنی آزادی مل جائے کہ جہاں چاہوں جاؤں

تو پھر میرے دل پر غموں کا بوجھ نہ رہے

میں اپنے بچوں کی موت پر بھی رونا چھوڑ دوں

اے پرندو !

تم کیسے خوش ہو

تم اپنوں سے جدا نہیں ہو

اہل و عیال سے مفارقت کا غم تم نہیں جانتے

اور نہ ہی تم ان راتوں کی تکلیف سے واقف ہو

جو قید خانے میں دروازے بند ہونے کی آواز سننے کے بعد کاٹی جاتی ہے

ان پرندون کا خدا روزی رسان ھے

لیکن میرے بچے پیاس سے اور سائے کے بغیر مرے جاتے ھین " [1]

اسی قید و بند کے عالم مین ایک مرتبہ معتمد نے اپنی زنجیرون سے مخاطب ھوکر نہایت پر درد اشعار کہے جن سے اقبال بہت متاثر ھوئے اور اپنے تاثرات کا اظہار اس نظم مین کیا جو " قید خانے مین معتمد کی فریاد " کے عنوان سے بال جبریل مین شامل ھے۔ عموماً یہ نظم معتمد کے اشعار کا ترجمہ (یا آزادترجمہ) سمجھی جاتی ھے لیکن دونون نظمون کے تقابلی مطالعے سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ اقبال کی نظم ترجمہ یا آزاد ترجمہ نہین کہی جا سکتی بلکہ محض اقبال کے دلی تاثرات اور معتمد کی عام جذباتی شاعری کا ایک انعکاس ھے ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے شرح بال جبریل مین معتمد کی اس نظم کے صرف دو شعر نقل کئے ھین ۔ یہان پوری نظم ایک عربی تصنیف کے حوالے سے درج کی جاتی ھے ۔

قیدی أما تعلمنی مسلما

ابیت أن تشفق أو ترحما

دمی شراب لك واللحم قد

اكلته لا تهشم الاعظما

يبصرنی فيك ابو هاشم

فينثنی والقلب قد هشما

ارحم طفيلا طائشا لبه

لم يخش أن يأتيك مترحما

[1] عبرت نامہ اندلس مصنف رائن ھلوٹ ڈوزی ترجمہ مولوی عنایت دھلوی طبع ۶۲ء ص ۱۷۹

وارحــم اخيّــات لــــه مثلــه

جــد حُـمـنّ الشمّ والعلقمـــــــا

منهنّ من نفهــم شيئـــا فقـــه

خفنا عليه للبكاء العمـ[1]ـــــــى

والغير لا يفهــم شيئا فمـــــا

يفتح الّا لــرضـــاع فمـــــــا[1]

(ترجمه) اے میری زنجیر ! تجھے معلوم ہے کہ میں مسلمان ہوں

مجھے تیری شفقت اور مہربانی درکار نہیں

میرا خون تیرا مشروب ہے اور میرا گوشت تیری غـذا

اب صرف ہڈیاں رہ گئی ہیں انہیں چبا کر تجھے کیا ملے گا

میرا بیٹا ابو ہاشم مجھے (زنجیروں) میں جکڑا ہوا دیکھ کر واپس لوٹ جاتا ہے

اور (یہ دیکھ کر) میرا دل پس کر رہ جاتا ہے

ایک ننھے بچے پر تو رحم کھا

جو معصوم و نادان ہے اور تجھ سے ترحّم کی امید میں بے جھجک آ جاتا ہے

اس کی چھوٹی چھوٹی بہنوں پر بھی رحم کر جو اسی کی طرح بھولی بھالی ہیں

(افسوس) تونے انہیں زہر اور حنظل کا مزہ چکھایا

ان میں سے کچھ ذرا سمجھ دار ہیں

جن کے بارے میں خدشہ ہے کہ رو رو کر اندھی نہ ہو جائیں

اور کچھ ایسی ہیں جو بالکل نا سمجھ ہیں اور کچھ بھی نہیں جانتیں
ان کا منہ صرف دودھ پینے کے لئے کھلتا ہے

---

۱ — المعتمد بن عباد بقلم علی ادھم طبع اول مصر ص ۳۰۳ و ۳۰۲

معتمد کی اس نظم کے ساتھ اقبال کی نظم ملاحظہ ہو :

اك فغـان بے شـرر سینے مین باقی رہ گئی

سوز بھی رخصت ہوا • جاتی رہی تاثیر بھی

مرد حسر زندان مین هے بے نیزہ و شمشیر آج

مین پشیمان ہون پشیمان هے مری تدبیر بھی

خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا هے دل

تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی

جو مری تیغ دودم تھی اب میری زنجیر هے

شوخ و بے پروا هے کتنا خـالق تقـدیر بھی

(بال جبریل ص ۱۳۷)

معتمد ایک طویل عرصے تک بیمار رہ کر ۴۸۹ ھ مین بعمر ۵۵ سال قید حیات سے آزاد ہوا اور اس کا جسد خاکی اغمات ہی کے قبرستان مین مدفون ہوا ـ وفات سے پہلے معتمد نے خود اپنا مرثیہ بھی لکھا اور یہ وصیّت کی کہ اس کے لوح مزار پر کندہ کیا جائے ـ اس مرثیے کا ابتدائی شعر اور آخری دو شعر یہان درج کرکے معتمد کا بیان ختم کیا جاتا هے ـ

قبر الغریب سقاك الرائح الغـادی	اے کس کی قبر ! تجھ کو صبح و شام کی بدلی سیراب کرے
حقاً ظفرت با شلاء ابن عبّـــــاد	سچ هے کہ تو نے ابن عبّاد کے اعضاء کو پا لیا
....	
حتّی یجودك دمع الطل منهمراً	جب تک شبنم کے آنسو پھولون کی آنکھون سے
من اعین الزهـر لم تبخـل با سعاد	تجھ پر کثرت سے ٹپکتے رہین تیرے اسعاد مین کمی نہ ہو

ولا تزال صلواۃ اللہ نازلــــۃ علی دفینک لا تحص تعــداد

اور اللہ کی رحمت بے انتہا تعداد میں تیرے مدفون پر نازل ہوتی رہے [1]

علامہ ابن حزم :

ابو محمد علی بن احمد ابن سعید ابن حزم ۳۸۲ ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے علم و فضل کی بنا پر انہیں خلیفہ عبدالرحمن خامس کے عہد میں وزارت کا منصب حاصل ہوا بنو امیہ کا اقتدار رو بہ زوال تھا لیکن ابن حزم آخر دم تک خلیفہ کے وفادار رہے اور اس کے اقتدار کو بحال کرنے کی کوششیں کرتے رہے ۔

ابن حزم کی سب سے مشہور کتاب الملل والنحل ہے ۔ اس میں مختلف مذاہب ، فلاسفہ کے مسالک اور قوموں کے عقائد بیان کرکے ان پر بحث کی ہے ۔ مصنف نے سحر اور جادو کی حقیقت پر بھی بڑی مدلل بحث کی ہے ۔ بعض مسائل میں علامہ ابن حزم کا نقطۂ نظر جدید طرز فکر کے عین مطابق ہے مثلاً اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے کہ کیا عورت خلیفہ ہو سکتی ہے یا نہیں ، انہوں نے عورت کو مشروط طور پر خلافت کا اہل قرار دیا ہے ۔

اقبال نے بہت سے فلسفیانہ اور مذہبی مسائل (مثلاً زمان و مکان ، حرکت و سکون ، جبر و قدر ، خلافت ، دعاء وغیرہ) میں علامہ ابن حزم سے استفادہ کیا ہے ۔

ابن حزم بہت بڑے اجتہادی تھے ۔ اقبال نے اپنے ایک لیکچر " الاجتہاد فی الاسلام " میں علامہ ابن حزم کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ بھی ماضی کے غلط اور بے جا

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ حصہ دوم مصنف ابن الخطیب ترجمہ سید احمد ندوی طبع ۱۹۶۱ء ص ۱۲۰ ـ ۱۲۱

احترام کے قائل نہیں تھے ۔ ضرورت سے زیادہ تنظیم کا اظہار جو فقہا کی کوششوں سے ہوا اسلام کی اندرونی روح کے منافی تھا [1]

اپنے اور جگہ علامہ اقبال نے زمان و مکان کے مسئلے میں ابن حزم کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا نظریہ جدید ریاضی کے مطابق ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :

" اور یہی وجہ ہے کہ شاعروں نے مکان و زمان کا لا متناہی تجزیہ تسلیم نہیں کیا ۔ برعکس اس کے یہ رائے قائم کی کہ مکان و زمان اور حرکت کا وجود جن نقطوں اور لمحوں پر مشتمل ہے ان کا مزید تجزیہ ممکن نہیں ۔ گویا وہ حرکت کا اثبات لا تخیرات کے اثبات سے کرتے تھے کیونکہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ مکان و زمان کے تجزیے کی ایک حد ہے تو یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ زمانے کے ایک متناہی وقفے کے اندر ہم ایک نقطۂ مکانی سے دوسرے نقطۂ مکانی تک حرکت کر سکتے ہیں ۔ لیکن ابن حزم نے اشارہ کے لا تخیرات کا وجود تسلیم نہیں کیا اور جدید ریاضیات کو بھی اسی سے اتفاق ہے " [2]

ابن حزم کی رائے ہے کہ " دعا ایک عمل ہے " یہی بات اقبال نے ذات الٰہیہ کے تصور اور حقیقت دعا کے بارے میں دہرائی ہے لیکن ذات الٰہیہ کے تصور کے مسئلے میں ایک جگہ علامہ ابن حزم سے اختلاف بھی کیا ہے ۔ اقبال کہتے ہیں :

ذات الٰہیہ کو ذات انسانی پر قیاس کرنے کا یہی اندیشہ تھا جس کی بنا پر ہسپانوی عالم ابن حزم کو اس امر میں تامل ہوا کہ ذات باری تعالیٰ

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ اقبال ترجمہ سید نذیر نیازی طبع ۱۹۵۸ء ص ۲۳۲

[2] ایضاً ص ۵۲

سے زندگی کا اسناد کرے اور جس نے با کمال ذھانت پھر یہ نکتہ پیدا کیا که ھم اسے زندہ کھتے ھیں تو اس لئے کہ قرآن مجید نے اسے زندہ کہا ھے لیکن معلوم ھوتا ھے کہ ابن حزم کی نگاھیں واردات شعور کی سطح سے آگے نہیں بڑھیں اور وہ ان کے عمیق تر پہلو سے بے خبر رھا ۔ وہ سمجھا زندگی عبارت ھے تغیّر یا توازن یعنی کسی متزاحم ماحول میں ایک رویے کے بعد لگاتار دوسرا رویہ بدلنے سے اس میں کوئی شک نہیں کہ جس تغیّر میں تواتر کی کار فرمائی ھے وہ نقص کی علامت ھے اور اس لئے ذات الٰہیہ کی کاملیت کا اثبات کیا جائے تو اس سے زندگی کا اسناد نا ممکن ھوگا لہذا ابن حزم کو یہی بہتر نظر آیا کہ اس کی صفت حیات کو اس کے کمال ذات پر قربان کردے[1]"

اقبال اپنے خطبات میں جا بجا ابن حزم کی کتاب الملل والنحل کے حوالے دیتے ھیں جس سے ظاھر ھوتا ھے کہ انہوں نے اس کتاب کا خاص مطالعہ کیا تھا اور انہیں اپنے لیکچروں میں اس کتاب سے کافی مدد بھی ملی۔

المقری

یہ دسویں صدی کے آخر میں تلمسان میں پیدا ھوا ۔ فاس اور مراکش میں ابتدائی تعلیم مکمل کر لی ۔ ۱۰۲۸ھ میں قاھرہ گیا اور ۱۰۴۱ھ میں وھیں فوت ھوگیا ۔ اس نے ھسپانیہ پر ایک بہت عمدہ کتاب لکھی ھے ، جس کا نام نفح الطیب ھے اور جو اندلسی مسلمانوں کی علمی اور عملی کاوشوں کا مرقع ھے ۔ تاریخی حالات کے علاوہ اس میں تقریباً

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ اقبال ترجمہ سید نذیر نیازی ص ۹۰ ۔ ۹۱

۳۲۰ ادباء اور شعراء کا مکمل تذکرہ موجود ہے جسے اس نے نہایت احتیاط اور جستجو سے مرتب کیا ہے ۔گویا یہ تصنیف اندلس کے عروج وزوال کی مکمل داستان ہے [1]

علامہ اقبال نے المقری کی بہت تعریف کی ہے ۔وہ فرماتے ہیں کہ المقری نے نفح الطیب لکھ کر مسلمانوں کی بہت خدمت کی ہے۔ مسلمانوں کو بھی چاہئیے کہ وہ مصنف اور کتاب کی قدر کریں۔

علامہ اقبال نے جو نظم " عبدالرحمٰن اوّل کا کھجور کا بویا ہوا پہلا درخت " کے عنوان سے لکھی ہے ۔وہ المقری کی کتاب کے مطالعے کے بعد لکھی چنانچہ بال جبریل میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے ۔

ابوالمعالی :

ابوالمعالی سے اقبال کی دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ اس کا نظریۂ نور موجودہ زمانے کے ایک زبردست سائنس دان آئن سٹائن کے نظریے سے مماثل ہے ۔ اقبال ایک خط میں لکھتے ہیں :

" رویت باری کے متعلق جو استفسار میں نے آپ سے کیا تھا اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی ۔ خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے جس سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے ۔ اس خیال کو ابن رشد کے ایک رسالے سے تقویت ہوئی جس میں انہوں نے ابوالمعالی کے رسالے سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے ۔ابوالمعالی کا خیال آئن سٹائن سے ملتا جلتا ہے ۔ مقدم الذکر کے ہاں یہ بات محض ایک قیاس ہے اور موخرالذکر نے اسے

علم ریاضی کی رو سے ثابت کر دیا ہے " [1]

اس حوالے سے جہاں ابوالمعالی کی فکری عظمت کا ثبوت ملتا ہے وہیں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال نے مسلمان مفکر اور عالم کا مطالعہ کیا ہے اور جدید نظریات کا سرچشمہ مسلمان مفکروں کی تصانیف میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

" آج کل کے مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایک بڑی حد تک خود ان کے تمدن سے برآمد ہوا ہے، وہ اسے بالکل غیر اسلامی تصور کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ آئن سٹائن کے نظریہ سے کس قدر ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے سائنٹفک حلقوں میں سنجیدگی سے بحث و مباحثے ہوئے تھے (ابوالمعالی جس کا قول ابن رشد نے نقل کیا ہے) تو آئن سٹائن کا موجودہ نظریہ ان کو اتنا اجنبی نہ معلوم ہو۔ اس کے علاوہ جدید استقرا کی منطق سے اسے جو بیگانگی ہے وہ بہت کچھ کم ہو جائے " [2]

ابن رشد

ابو ولید محمد ابن رشد ۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ وہ ایک طبیب، فقیہہ اور فلسفی تھا۔ اس نے ان علوم میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ خلیفہ پر اس کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

---

[1] اقبال نامہ حصہ اول مرتبہ شیخ عطاء اللہ طبع اوّل ص ۱۳۰

[2] ایضاً ص ۲۱۲

۱ ـ تہافتہ التہافتہ　　　　　　　　　۲ ـ جوہر الکون

۳ ـ اتصال العقل بالانسان　　　　　　　　　۴ ـ مسائل حصص مختلفہ قانون ارسطو

۵ ـ رسالہ بر قیاس شرطی　　　　　　　　　۶ ـ مکتوبات بر محمولات اولیہ

۷ ـ مختصر المنطق　　　　　　　　　۸ ـ کتاب المقدمات فی الفلسفہ

۹ ـ شرح بر "جمہوریت افلاطون

علم ، کلام اور مذہب پر یہ کتابیں لکھیں :

۱ ـ فصل المقال فی مابین الشریعتہ والحکمتہ من الاتصال

۲ ـ مناہج کشف الدولہ　　　　　　　　　۳ ـ شرح عقیدۂ امام مہدی

اسکے علاوہ فقہ ، علم ہیئت ، صرف و نحو ، علم طب پر بھی بے شمار کتابیں لکھیں ـ ۱۱۶۹ء میں ابن رشد اشبیلیہ کا قاضی مقرر ہوا ـ ۱۱۹۸ء میں فوت ہوگیا [1]

اقبال ابن رشد کو ایک بہت بڑا فلسفی مانتے ہیں لیکن اس کے خیالات سے متفق نہیں اس کے برعکس امام غزالی سے اقبال زیادہ متاثر ہیں ـ امام غزالی اور ابن رشد ایک دوسرے کے حریف ہیں اور بعض بنیادی مسائل میں متضاد نظریات کے علم بردار ہیں ـ ابن رشد نے یونانی حکماء کی پیروی کی اور اقبال نے اس لحاظ سے جا بجا ابن رشد پر نکتہ چینی کی ہے ـ مثلاً یونانی حکماء ادراک بالحواس کے قائل تھے ـ لیکن اقبال اس کے مخالف کیونکہ ادراک بالحواس کی بنا پر ہم صرف ایک رائے قائم کر سکتے ہیں ـ کوئی مستقل اصول وضع نہیں کر سکتے ـ اس بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں :

---

[1] دانشوران اندلس مصنف عبداللہ الاثری طبع اول ص ۳۱۰

" قرآن پاک کی روح اساساً یونانیت کے منافی ہے ۔ اس انکشاف نے ان کے اندر جو ذہنی بغاوت پیدا کر دی تھی اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آج تک نہیں کیا گیا ۔ بہر حال یہ کچھ اس بغاوت اور کچھ غزالی کے ذاتی حالات کا تقاضا تھا کہ امام موصوف نے مذہب کی بنا فلسفیانہ تشکک پر رکھی ۔ حالانکہ یہ مذہب کی کوئی محکم اساس ہے ۔ نہ تعلیمات قرآنی کے مطابق ۔ آگے چل کر غزالی کے حریف اعظم ابن رشد نے جو گویا باغیوں کے خلاف حکمت یونان کی حمایت سے سینہ سپر تھا ارسطو کی پیروی میں بقائے عقل و فعال کا عقیدہ وضع کیا ۔ جس کا ایک زمانے میں فرانس اور اٹلی کے ذہنی حلقوں پر بڑا اثر تھا ۔ لیکن میری رائے میں اس تصور کے سراسر خلاف ہے جو قرآن پاک نے نفس انسانی کی قدر و قیمت اور مقصود و منتہا کے بارے میں قائم کیا ۔ یوں ابن رشد اسلام کے ایک نہایت اہم اور پر معانی تصور کے فہم سے قاصر رہا اور نا دانستہ ایک ایسے فرسودہ اور سبقت رک فلسفہ حیات کے نشو و نما کا سبب بنا ۔ جس سے انسان کو نہ تو اپنی ذات میں کوئی بصیرت حاصل ہوتی ہے ۔ نہ خالق کائنات اور کائنات میں " [1]

ایک جگہ مسئلہ حیات بعد الممات پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبال لکھتے ہیں :

" عصر حاضر کو اس مسئلے سے جو گہرا شغف ہے اس کی مثال کسی زمانے سے شاید ہی ملے ۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مادیت حاضرہ

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مصنف اقبال ترجمہ سید نذیر نیازی ص ۵ ۔ ۶

کی فتوحات کے باوجود اس موضوع میں تصنیف پر تصنیف شائع ہوتی چلی جا رہی ہے لیکن حیات بعد الموت کی حمایت میں صرف ما بعد الطبیعی دلائل سے کام نہیں چل سکتا ۔ ما بعد الطبیعی دلائل سے دل کو تشفی نہیں ہوتی ..... اسلامی فلسفہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو ابن رشد نے بھی اس مسئلے کے حل میں ما بعد الطبیعیات ہی کے سہارے قدم بڑھایا ۔ گو میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اس کی یہ کوشش بالکل رائیگاں گئی " [1]

اس کے علاوہ اقبال کو ابن رشد کے نظریۂ نور سے بھی دلچسپی تھی جس کا ذکر انہوں نے اکثر خطوں میں کیا ہے ۔

جس طرح یورپ ابن رشد سے متاثر ہوا مشرق نے اس سے کوئی خاص اثر نہ لیا ۔ اقبال نے بھی اگرچہ اس کا مطالعہ کیا لیکن اس کے نظریات سے اتفاق نہیں ۔

ابن میمون :

ابو عمران موسیٰ ابن میمون ۱۱۳۵ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا ۔ ابن رشد کا شاگرد تھا مواحدین کے مظالم کے سبب سے اس کے خاندان کو قاہرہ منتقل ہونا پڑا ۔ کہتے ہیں کہ میمون پہلے یہودی تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا لیکن یہ امر مختلف فیہ اور تحقیق طلب ہے ۔ قاہرہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دربار میں درباری حکیم مقرر ہوا ۔ یہودیوں کے درمیان جس عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس کا اندازہ اس قول سے لگایا جا

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مصنف اقبال ترجمہ سید نذیر نیازی ص ۱۶۹

سکتا ہے :

" موسیٰ سے موسیٰ تک موسیٰ ابن میمون جیسا کوئی نہیں گزرا "

طب میں اسی کی کتاب " الفصول فی الطب " بڑی مقبول ہے ۔ " دلالۃ الحائرین " اس کی ایک اور مشہور تصنیف ہے جس میں اس نے یہودی مذہب اور اسلامی ارسطویت میں توافق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ابن میمون ۱۲۰۴ء میں قاہرہ میں فوت ہوگیا [1]

اقبال کو اس حکیم سے اس لئے دلچسپی پیدا ہوگئی کہ اس نے مسئلۂ زمان پر بحث کی تھی اور کچھ اقوال بھی پیش کئے تھے ۔ چنانچہ اقبال ایک خط میں پوچھتے ہیں :

" شمس بازغہ یا صدرا میں جہان زمان کی حقیقت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کئے ہیں ان میں ایک قول یہ ہے کہ زمان خدا ہے ۔ بخاری میں ایک حدیث بھی اسی مضمون کی ہے : " لا تسبوالدھر " کیا حکماء اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے ۔ اگر ایسا ہے تو یہ بحث کہاں ملے گی ؟ قرون وسطیٰ کے ایک یہودی حکیم موسیٰ بن میمون نے لکھا ہے کہ خدا کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ زمان کو لحظہ بہ لحظہ پیدا کرتا رہتا ہے ۔ میمون قرطبہ میں پیدا ہوا اور قاہرہ میں مرا غالباً بارھویں صدی کے آخر میں اس نے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور تمام عمر مسلمانوں کی ہی ملازمت کرتا رہا ۔ متکلمین کے خیالات پر اس نے جرح قدح بھی خوب کی ہے ۔ میرا گمان ہے کہ میمون کا مذکورہ بالا مذہب بھی ضرور کسی نہ کسی مسلمان حکیم کی خوشہ چینی ہے ۔ اگر آپ کے علم میں یہ بات ہو تو مہربانی کر کے مطلع فرمائیے ۔

میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان ہے :

" زمان کی حقیقت فلسفہ اسلام کی تاریخ میں " [1]

ایک جگہ نظریۂ جوہر کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں :

" عالم اسلام میں نظریہ جوہر کا نشو و نما فلسفۂ اسلامی کی تاریخ کا ایک بڑا دلچسپ باب ہے ۔ جسے گویا ارسطو کے اس نظریے کے خلاف کہ کائنات ایک ساکن وجود ہے ۔ مسلمانوں کی ذہنی بغاوت کا اہم مظہر تصوّر کرنا چاہئیے ۔ آگے چل کر یعنی تیرھویں صدی کے آغاز میں ایک یہودی عالم موسیٰ ابن میمون نے جس کی تعلیم اندلس کی اسلامی درس گاہوں میں ہوئی تھی ۔ اپنی کتاب دلیل الحائر " [2] میں اس نظریے کو ایک باقاعدہ اور جامع شکل دی ۔ ۱۸۶۶ء میں منک (Munk) نے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا اور پھر حال ہی میں امریکی پروفیسر مکڈانلڈ نے اس کی مشمولات کی توضیح کی آئی سس (Isis) میں بڑی خوبی سے کی ہے ۔ چنانچہ مسلم ورلڈ کی اشاعت جنوری ۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر زویمر نے اسے پھر سے شائع بھی کر دیا ہے لیکن افسوس ہے کہ پروفیسر مکڈانلڈ نے ان نفسیاتی عوامل کا اندازہ کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی جو اسلامی علم کلام میں نظریہ جوہر کے نشوونما کا باعث ہوئے ۔ انہیں اس امر کا اعتراف تو ہے کہ یونانی فلسفے میں اس مخصوص طرز فکر کی کوئی جھلک نہیں ملتی مگر پھر اس خیال سے

---

[1] [2] ۔ کتاب کا اصل نام دلالۃ الحائرین ہے ۔ غالباً علامہ اقبال سے سہو ہوا ہے ۔

کہ ایسا نہ ہو ہمین فلاسفۂ اسلام کی جودت طبع کا اقرار کرنا پڑے
انہون نے کلام کے اس نظریے اور ایک بدھ فرقے کے خیالات مین
چند سطحی مشابہتین تلاش کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر فرما دیا ہے
کہ مسلمانون کے یہان اس فکر کا نشوونما بدھ مت کے زیر اثر ہوا " [1]

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے ابن میمون کی تصانیف کا مطالعہ کیا تھا اور اپنے فلسفے کی تشکیل مین اس کے افکار سے مدد لی ۔

ابن عربی

شیخ محی الدین ابن عربی ۲۹ جولائی ۱۱۶۵ء کو مرسیہ مین پیدا ہوئے ۔ ان کی ابتدائی زندگی کے حالات تاریکی مین ہین ۔ ۱۱۷۳ء سے ۱۲۰۲ء تک اشبیلیہ مین تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے ۔ حدیث اور فقہ کی تکمیل کے بعد تصوّف کا گہرا مطالعہ کیا ۔ ۱۲۰۲ء مین مشرق کی سیاحت کو روانہ ہوئے ۔ کچھ مدت تک مکۂ معظمہ مین قیام کے بعد عراق و شام کا سفر اختیار کیا ۔ بالآخر دمشق مین مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی ۔ ۱۲۴۰ مین وہین واصل بحق ہوئے [2] ۔ مولانا جامی نے ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو تک بتائی ہے [3] ۔ لیکن ان مین سے " فتوحات المکیہ " اور " فصوص الحکم " بہت اہمیت رکھتی ہین ۔ فتوحات پانچ سو ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور صوفیانہ تعلیمات کے تمام پہلوؤن کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔ فصوص صرف ستائیس ابواب مین منقسم ہے ۔ شیخ کی ایک اور کتاب " الاسراء الی مقام الاسرا " ہے جس مین موصوف نے معراج رسول کے واقعہ کو افسانوی رنگ مین بیان کیا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور اطالوی شاعر دانتے کی " ڈیوائن

۱ ۔ تشکیل الہیات اسلامیہ " اقبال " ترجمہ سید نذیر نیازی ص ۱۰۳ ۔ ۱۰۲
۲ ۔ اسلامی تصوف اور اقبال مصنفہ ڈاکٹر ابو سعید نورالدین ۔ کراچی ۱۹۵۶ء ص ۱۱۶
۳ ۔ ایضاً

کامیڈی " کا تخیل اسی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ اقبال کے جاوید نامہ کا ماخذ بھی یہی ہے۔

شیخ کو اسلامی تصوّف کا شیخ الاکبر کہتے ہیں۔ شیخ صوفیا کے اس طبقے سے تعلق نہیں رکھتے جو مجذوب کہلاتا ہے اور شریعی آیات کی پروا نہیں کرتا چنانچہ آپ ایک مقام پر فرماتے ہیں :

" علم شریعت کو اپنے لئے لازم جان کیونکہ شریعت ہی تمہاری کشتی ہے کہ جب اس میں رخنہ پڑ جائے گا تو وہ ڈوب جائے گی اور ان سب کو لے ڈوبے گی جو اس میں سوار ہیں۔ جان لو کہ تم سے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھنے کے متعلق سوال کیا جائے گا " [1]

علامہ اقبال کے والد چونکہ صوفیانہ مسلک کے آدمی تھے اس لئے ان کے گھر میں تصوّف کی کتابوں اور تصوّف کے نکات پر بحث ہوتی رہتی تھی۔ علامہ اقبال خود کہتے ہیں کہ پانچ برس کی عمر ہی سے (فصوص الحکم) (ابن عربی) کے الفاظ میرے کانوں میں پڑنا شروع ہوگئے تھے [2]

فصوص الحکم ایسی کتاب ہے کہ بڑے بڑے شارحین بھی اس کے بعض حصّوں کو نہیں سمجھ سکے۔ چنانچہ علامہ اقبال بھی پہلے پہل اس کتاب کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہے۔ انہوں نے علامہ عرشی امرتسری سے اپنے عجز فہم کا اعتراف بھی کیا تھا [3]

---

[1] مسلمان یورپ میں تالیف احسان الحق سلیمانی طبع ۱۹۵۲ء ص ۱۹۲

[2]

[3] ادبی دنیا "آپس کی باتیں" اپریل ۱۹۶۸ء ص ۱۲۶

غالباً اسی کم فہمی کی بنا پر ایک خط مین اس کے متعلق کہتے ھین :

" جہان تک مجھے علم ھے نصوص مین سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہین ۔ اس پر مین انشاء اللہ مفصل لکھون گا " [1]

مثنوی اسرار و رموز کے دیباچے مین بھی انہون نے شیخ اکبر کے نظریۂ وحدت الوجود پر تنقید کی ھے اور اسے ملّت کے زوال کا ایک سبب قرار دیا ھے ۔ وہ لکھتے ھین :

" جس نقطۂ خیال سے شری شنکر اچاریہ نے گیتا کی تفسیر کی تھی اسی نقطۂ خیال سے شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی نے قرآن شریف کی تفسیر کی جس نے مسلمانون کے دل و دماغ پر نہایت گہرا اثر ڈالا ھے ۔ شیخ اکبر کے علم و فضل اور ان کی زبردست شخصیت نے مسئلہ وحدت الوجود کو جس کے وہ انتھک مفسر تھے اسلامی تخیّل کا ایک لا ینفک عنصر بنا دیا ۔ کرمانی اور فخرالدین عراقی ان کی تعلیم سے نہایت متاثر تھے اور رفتہ رفتہ چودھوین صدی عیسوی کے تمام عجمی شعرا اس رنگ مین رنگین ھو گئے ۔۔۔۔۔۔۔ مختصر یہ کہ ھندو حکماء نے مسئلہ وحدت الوجود کے اثبات مین دماغ کو اپنا مخاطب بنایا مگر ایرانی شعرا نے اس مسئلہ کی تفسیر مین زیادہ خطرناک طریق اختیار کیا ۔ یعنی انہون نے دل کو اپنی آماجگاہ بنایا اور ان کی حسین و جمیل نکتہ آفرینون کا انجام کار یہ نتیجہ ہوا کہ اس مسئلہ نے عوام تک پہنچ کر قریباً تمام اسلامی اقوام کو ذوق عمل سے محروم کر دیا " [2]

---

[1] اقبال نامہ سید لولی ص ۲۷

[2] دیباچہ اسرار خودی شرح اسرار خودی پروفیسر یوسف سلیم چشتی صفحہ ۸۱ ۔ ۸۲

ابن عربی کے متعلق اقبال کے یہ ابتدائی تاثرات تھے ۔ بعد میں جب انہیں ابن عربی کے گہرے اور وسیع مطالعے کا موقع ملا تو ان کو اپنی غلط فہمی کا احساس ہوگیا اور وہ ابن عربی کا ذکر احترامی کلمات کے ساتھ کرنے لگے ۔

اقبال کے خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ زمان و مکان کے بارے میں انہوں نے شیخ اکبر کی تصانیف سے استفادہ کی کوشش کی تھی مثلاً ایک خط میں جو مہر علی گوہر علی شاہ کو لکھا ہے پوچھتے ہیں:

۱ ۔ " اوّل یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور آئمۃ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے ۔

۲ ۔ یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے ۔ اور کہاں کہاں ۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اوّل کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں "[1]

پھر ایک اور خط سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں

" یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن عربی کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص کی یاد دہانی کے لئے لکھتا ہوں "[2]

اور جب تلخیص مل گئی تو ان کے ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوا جس کے متعلق پھر پوچھتے ہیں

" اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے ۔ جس طرح زمان و مہر کا ایک طرح سے

---

[1] اقبال نامہ حصہ اوّل ص ۲۵

[2] ایضاً ص ۱۷۸

سے عکس ہے ۔ اسی طرح مکان بھی دھر ہی کا عکس ہونا چاہئیے

یا یوں کہئیے کہ زمان و مکان دونوں کی حقیقت اصلیہ دھر ہی ہے ۔

کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے ؟

اس کا جواب شاید فتوحات میں ملے ۔ مہربانی کر کے تھوڑی سی تکلیف

اور گوارا فرمائیے اور دیکھئے کہ کیا انہوں نے مکان پر بھی کچھ بحث

کی ہے اور اگر کی ہے تو مکان اور دھر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے ؟ "[1]

در اصل اقبال کے سامنے رسول اکرم کی یہ حدیث تھی : " لا تسبّوا الدھر " اور وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ابن عربی نے اس کے متعلق کیا کہا ہے ۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ ابن عربی نے کہا ہے کہ دھر اللہ تعالی کے اسمائے حسنی میں سے ہے [2] لیکن انہیں مفصل بحث نہ مل سکی ۔

اقبال نے اپنی زندگی کے آخری دور میں مسئلہ ختم نبوت کی بحث میں حصّہ لیا ۔ اسی ضمن میں پنڈت نہرو سے بھی خط و کتابت ہوئی ۔ اقبال نے اپنے خط میں ان قادیانی مبلغین کی سختی سے تردید کی جو اپنی تائید میں شیخ اکبر کا حوالہ دیتے ہیں ۔ اقبال نے واضح الفاظ میں یہ لکھا

" (فتوحات) کی متعلقہ عبارت کو پڑھنے کے بعد میرا یہ اعتقاد

ہے کہ ھسپانیہ کا یہ عظیم الشان صوفی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

ختم نبوت پر اسی طرح مستحکم ایمان رکھتا ہے جس طرح کہ ایک

---

[1] اقبال نامہ حصّہ اوّل ص ۱۸۰

[2] تشکیل جدید الہیات اسلامیہ صفحہ ۱۱۱

راسخ العقیدہ مسلمان رکھ سکتا ھے ۔ اگر شیخ کو اپنے کشف مین
نظر آجاتاکہ ایک روز مشرق مین چند ھندوستانی جنھین تصوّف کا شوق
ھے شیخ کے صوفیانہ نفسیات کی آڑ مین پیغمبر اسلام کی ختم نبوت سے انکار
کر دین گے تو وہ یقیناً علمائے ھند سے پہلے مسلمانان عالم کو ایسے
غداران اسلام سے متنبہ کر دیتے " [1]

دانتے کی ڈوائن کامیڈی کے بارے مین یہ نکتہ علامہ اقبال ھی نے پیش کیا ھے کہ

" دانتے کے لئے ابن عربی نے نمونہ مہیا کیا ۔ وہ کہتے ھین
پروفیسر بیوان نے معراج کی کہانی ایک قابل قدر تاریخی مباحث دی
ھے ۔تاھم میرے نزدیک ثقافت کی رو سے جو چیز زیادہ اھم ھے وہ یہ
کہ اس کا انداز فکر اوریجنل (Original) ھے جس سے اس نے
عام مسلمان کے ذھن کو بہت زیادہ متاثر کیا ھے ۔ابن عربی کے
ذریعے سے دانتے جیسے عظیم ذھن کو متاثر کیا کیونکہ اس نے ڈوائن
کامیڈی (جو (یورپ) قرون وسطی کے کلچر کی علامت ھے) کے
اعلی ترین حصّے کے لئے ایک نمونہ مہیا کیا [2]

تصوّف کے سلسلے مین علامہ اقبال نے ابن عربی کا مطالعہ کیا اور تصوّف کے بعض مسئلون پر ابن عربی سے اتفاق اور بعض سے اختلاف کیا ۔ اقبال نے ان کے بعض افکار کو شعر کے سانچے مین بھی ڈھالا ھے ۔مثلاً علامہ اقبال کی نظم (تقدیر) ابن عربی

---

[1] حرف اقبال عبدالمجید سالک ص ۱۵۱

[2] Islamic culture (Decem) 1928

سے ماخوذ ہے جس کا اعتراف خود اقبال نے نظم کے حاشیے مین کیا ہے ۔

ابلیس

اے خدائے کن فکان مجھ کو نہ تھا آدم سے بیر

آہ ! وہ زندانی نزدیک و دور و دیر و زود

صرف استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا

ہان مگر تیری مشیت مین نہ تھا میرا سجود

یزدان

کب کھلا تجھ پر یہ راز ؟ انکار سے پہلے کہ بعد ؟

ابلیس

بعد ! اے تیری تجلی سے کمالات وجود !

یزدان

(فرشتون کی طرف دیکھ کر)

پستیٔ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے

کہتا ہے تیری مشیت مین نہ تھا میرا سجود

دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام

ظالم اپنے شعلۂ سوزان کو خود کہتا ہے دود " [1]

---

[1] ضرب کلیم صفحہ نمبر ۲۲ ـ ۲۳ طبع ۱۹۴۷ء

علامہ ابن خلدون

ابو زید ولی الدین عبدالرحمن ابن خلدون ۷۳۲ ھ مین تونس مین پیدا ہوئے ۔ ۷۶۲ھ مین اندلس چلے گئے ۔ اس وقت محمد خامس غرناطہ کا حکمران تھا اور لسان الدین ابن الخطیب اس کا وزیر تھا۔ دونون نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا لیکن بعد مین ابن الخطیب اس کے اثر و نفوذ سے حسد کرنے لگا ۔ یہ دیکھ کر ابن خلدون واپس افریقہ آگئے ۔ ابن خلدون امیر تیمور کے دربار مین بھی حاضر ہوئے ۔ ان کی لا جواب تصنیف " کتاب العبر و دیوان المبتداء و الخبر فی ایّام العرب و العجم و البربر " تین حصون پر مشتمل ہے ۔ " المقدمہ " جو ابن خلدون کی شہرت کا ضامن ہے اس کا پہلا حصہ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف عرب مورخون نے بلکہ مغربی مفکرون مین سے بھی کسی نے آج تک تاریخ کو اس جامعیّت کے ساتھ فلسفیانہ انداز مین پیش نہین کیا ۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے فلسفہ اجتماعیہ کو علمی قالب مین ڈھالا ۔ اسلامی دنیا کا یہ نامور مؤرخ اور فلسفہ اجتماعیہ کا موجد ۸۰۸ ھ مین فوت ہوگیا [1]

علامہ اقبال کو تاریخ سے جتنی دلچسپی تھی اس کے متعلق پہلے باب مین وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے ۔

اس سلسلے مین علامہ اقبال مسلم دنیا کے عظیم تاریخ دان ابن خلدون کے بہت معترف تھے اور یہ اسے ایک باکمال محقق جانتے ہین ۔ وہ بار بار ابن خلدون کے نظریات کا حوالہ

---

[1] مسلمان یورپ مین تالیف احسان الحق سلیمانی طبع اوّل ۱۹۵۲ء ص ۱٦۷

دیتے ہین اورکہتے ہین‌کہ یہی وہ پہلا تاریخ دان تھا جس نے تاریخی عمل کو بحیثیت ایک تخلیقی حرکت کے ظاہر کرنے کی سعادت حاصل کی [1]

اقبال کے نزدیک حرکت زندگی کی بنیادی حقیقت ہے ۔ اقبال کا نظریۂ تاریخ بالکل وہی ہے جو ابن خلدون کا ہے ۔ اقبال کا تصور یہ ہے کہ تاریخ " ایک مسلسل اجتماعی حرکت ہے جس مین واقعات کی تکرار نہین بلکہ تخلیق ہوتی ہے " [1] زندگی اور کائنات کے اس حرکی تصور کا اظہار اقبال کے کلام مین جا بجا ہوا ہے ۔ مثلاً

ٹھہرتا نہین کاروان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
ایک صورت پر نہین رہتا کسی شے کو قرار
ذوق جدت سے ترکیب مزاج روزگار

حکمائے یونان حرکت کے بجائے سکون کی طرف مائل تھے ۔ مسلمان مفکرین مین سے بیشتر یونانی حکماء کے مقلد تھے ۔ لیکن ابن خلدون نے اسکے برعکس حرکت کا نظریہ پیش کیا جو اقبال کے خیال مین قرآنی روح کے عین مطابق تھا ۔ اقبال نے ابن خلدون کے اس نظریے کی اہمیت کا بھی ذکر کیا ہے جس کی رو سے زمانہ ایک دائرے مین نہین گھومتا اور نہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے جیساکہ یونانی فلسفی کہتے ہین ۔ بلکہ زمانہ ایک خط مستقیم مین حرکت کرتا ہے جس مین واقعات کی تکرار ممکن نہین ہو سکتی ۔ ابن خلدون کے نظریۂ تاریخ کی وضاحت اقبال نے ایک جگہ یون کی ہے :

---

[1] مقام اقبال مصنفہ اشفاق حسین طبع اول ۱۹۴۹ء ص ۳۶

" ... اسلامی تہذیب وتمدن جسے اپنے اظہار کے لئے جو راستہ اختیار کیا اس پر نظر رکھئے تو یہ کسی مسلمان ہی کا کام ہو سکتا تھا کہ تاریخ کا تصوّر بطور ایک مسلسل اور مجموعی حرکت کے آتا ۔ یعنی زمانہ ایک ایسے نشوونما کی حیثیت سے جس کا ظہور ناگزیر ہے گویا معین ابن خلدون کے نظریۂ تاریخ سے دلچسپی ہے تو اس کی وجہ بھی ابن خلدون کا وہ تصوّر ہے جو اس نے تفسیر کے باب میں قائم کیا ۔ یہ تصوّر بڑا اہم ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تاریخ چونکہ ایک مسلسل حرکت ہے ۔ زمانے کے اندر لہذا یہ ماننا لازم آتا ہے کہ اس کی نوعیت فی الواقع تخلیقی ہے ۔ یہ الفاظ دیگر یہ وہ حرکت نہیں جس کا راستہ پہلے سے معیّن ہو "[1]

ابن خلدون کے اس حرکی تصور کی بنا پر اقبال نے اسے برگسان کا پیش رو قرار دیا ہے[2] ابن خلدون کے زمانے میں خلافت کا مرکزی نظام کمزور ہو چکا تھا اور مسلم فاتحین و سلاطین نے دور افتادہ علاقوں میں آزاد و خود مختار حکومتیں قائم کر لی تھیں ۔ ابن خلدون نے بقول اقبال " واقعات کی منطق سے لاجواب ہو کر "[3] عالمگیر خلافت کی جگہ آزاد مسلم حکومتوں کے وجود کو تسلیم کیا تھا ۔ جنگ عظیم اوّل (۱۰ ۔ ۱۹۱۲ء) کے بعد جب ترکوں نے خلافت کا نظام ختم کر کے اپنے ملک میں جمہوری حکومت کی داغ بیل ڈالی تو عالم اسلام میں احتجاج

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ سیّد نذیر نیازی طبع ۱۹۵۸ء ص ۲۱۶

[2] ایضاً ص ۲۱۷

[3] ایضاً ص ۲۲۲

کی صدائیں بلند ہوئیں۔ چونکہ برّصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو خلافت عثمانیہ سے دلی عقیدت تھی لہذا ترکوں کے اس اقدام کے خلاف یہاں سب سے زیادہ شدید ردّ عمل ہوا۔ مسلمانانِ ہند نے خلافت کے تحفظ و استحکام کے لئے جنگ عظیم کے دوران میں ایک مستقل تحریک چلائی جسے تحریک خلافت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب خود ترکوں کے ہاتھوں خلافت کا یہ انجام دیکھ کر یہاں کے مسلمانوں کو جو صدمہ پہنچا ہوگا اس کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مسلم رہنماؤں میں صرف اقبال کی شخصیت ایسی تھی جس نے اپنی تاریخی بصیرت سے اس مسئلے کا جائزہ لیا اور علّامہ ابن خلدون کے حوالے سے ترکوں کے نقطۂ نظر کی تائید کی۔ وہ اپنے خطبات میں ایک جگہ فرماتے ہیں :

" بہر حال ترکی کے نقطۂ نظر کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں ابن خلدون یعنی عالم اسلام کے سب سے پہلے فلسفی مورخ سے رجوع کرنا چاہئیے۔ ابن خلدون اپنی شہرہ آفاق تصنیف " مقدمہ " میں خلافت اسلامیہ کے تین نظریے قائم کئے ہیں

۱۔ یہ کہ خلافت ایک امر شرعی ہے لہذا اس کا قیام واجب ہے

۲۔ یہ کہ اس کا تعلق ضرورت اور مصلحت سے ہے

۳۔ یہ کہ اس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔

یہ آخری نظریہ خوارج کا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے جدید ترکی کا رجحان دوسرے نظریے کی طرف ہے۔ یعنی وہ اس معاملے میں معتزلہ کے ہمخیال ہیں جن کی رائے یہ تھی کہ عالمگیر خلافت کا تعلق صرف ضرورت اور مصلحت وقت سے ہے۔ ترک کہتے ہیں ہمیں چاہئیے کہ اپنے سیاسی تفکر

میں ماضی کے سیاسی تجربات سے سبق حاصل کریں۔ جس کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ عالمگیر خلافت کا تصوّر عملاً کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ جب تک اسلامی سلطنت قائم تھی اس پر عمل ممکن تھا لیکن انتزاع سلطنت کے بعد جب جگہ جگہ آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں تو یہ تصوّر قابل عمل نہ رہا "[1]

لقبال نے

خلاصۂ کلام یہ کہ اقبال نے کئی اہم مسائل میں علّامہ ابن خلدون کی بصیرت افروز تحریروں سے استفادہ کیا ہے اور ابن خلدون کو "مسلم تہذیب و تمدن کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک مظہر" کے لقب سے یاد کیا ہے[2]

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مترجمہ سید نذیر نیازی ص ۲۵ ـ ۱۲۲

[2] ایضاً ـــــــــــــــ ص ۲۱۷

پانچواں باب

مسجدِ قرطبہ

اقبال کی نظم " مسجد قرطبہ " ان کے سفرہسپانیہ اور خاص طور پر مسجد کی زیارت کی بدولت وجود مین آئی ۔ اس نظم مین جو مختلف موضوعات مین ان سب کے مرکزی تاثرات کی جھلک اس مسجد مین دکھائی دیتی ہے جو اقبال کی " مسجد قرطبہ" جیسی ابدی شاھکار کی محرّک ہوئی ۔

جامع قرطبہ

ہسپانیہ مین مسلمانون کی سب سے زیادہ عظیم الشان یادگار جامع مسجد قرطبہ ہے ۔ عیسائیون کے قبضے کے بعد مسجد کے بہت سے خوبصورت حصے تباہ کر دئیے گئے لیکن اب بھی وہ اپنی خوبصورتی اور حسن و جمال کی بنا پر ایسی ہے کہ ایک ہندوستانی سیّاح کہتا ہے کہ مین تاج محل کو دنیا کی خوبصورت ترین عمارت سمجھتا تھا لیکن یہ مسجد دیکھ کر میرے نزدیک تاج محل کی کوئی حیثیت ہی نہ رہی ۔ ایک اور سیاح قاضی ولی الدین جو ۹۲۲ھ مین قرطبہ گیا تھا اپنے سفر نامے مین لکھتا ہے کہ مسجد باہر سے تو ایک قلعہ کی طرح معلوم ہوتی ہے اور اس کی دیوار بھی اتنی خوبصورت نہین لیکن جب مین نے دروازے کے اندر قدم رکھا تو محسوس ہوا کہ کسی ایسی جگہ پہنچ گیا ہون جسے انسانی ہاتھ بنا نہین سکتے اور اگر مین بڑھ کر ستون کا سہارا نہ لے لیتا تو مین مسجد کی شان و شوکت اور خوبصورتی کو دیکھ کر بےہوش ہوکر گرنے کو تھا پھر لکھتا ہے " کہ مین نے دمشق و بیت المقدس ، حمص و بیروت قسطنطنیہ و قاہرہ اسکندریہ و طنجہ کی مساجد کی

زیارت کی ہے اور بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ کسی مسجد کی آرائش و زیبائش جامع قرطبہ کی پاسنگ کو بھی نہیں پہونچتی" [1] غرض کہ اس کے حسن و جمال اس کے تزئین و آرائش نسخی گلکاریوں اور پچی کاریوں کے کام کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ شاید ہی حضرت انسان اس قسم کی عمارت کوشش اور تیار کر سکا ہو [2]

عبدالرحمٰن الداخل نے اس مسجد کی تعمیر کا آغاز ۱۶۹ ھ میں کیا ۔ مسجد کی تعمیر ابھی جاری تھی کہ الداخل کو موت نے آلیا اور اس کے جانشین ہشام نے مسجد کی تکمیل کی ۔ لیکن ہشام کی وفات کے بعد بھی جو اموی تاجدار تخت پر بیٹھتا اس مسجد میں کوئی نہ کوئی اضافہ ضرور کر دیتا اور اس کی زیبائش و خوبصورتی پر دور میں پہلے سے بڑھ جاتی ۔ دوسرے لفظوں میں یہ مسجد ۱۶۹ ھ میں شروع ہوکر ۳۹۲ ھ تک برابر بنتی اور سنورتی رہی اور جو مسجد سوا دو سو سال بنتی اور سنورتی رہے وہ یقیناً دنیا کی بہترین عمارت ہوگی اسی لئے اس کے متعلق المقری نے کہا ہے :

" قال بعض المورخین لیس فی بلاد الاسلام اعظم منه و لاعجب بناءً و اتقن صنعةً " [3]

شروع میں یہ مسجد ۲۲۵ گز لمبی اور ۲۰۵ گز چوڑی تھی ۔ الحکم نے اسے تین سو تیس گز لمبا کر دیا ۔ ابن ابی عامر نے اس کی لمبائی ۴۲۰ گز اور چوڑائی ۲۳۰ گز کر دی مسجد کی چھت ستونوں پر قائم تھی اور ان کی ترتیب اس وضع پر ہوئی تھی کہ ان کے تقاطع

---

[1] سفر نامہ اندلس مرتبہ قاضی ولی محمد طبع ۹۲۷ ء ص ۸۳

[2] مسلمان یورپ میں تالیف احسان الحق سلیمانی طبع اوّل ۹۵۲ ء ص ۲۱۷

[3] المقری جز اوّل ص ۲۵۵ تہذیب و تمدن اسلامی حصہ دوم مصنف رشید اختر ندوی ص ۵۶۸

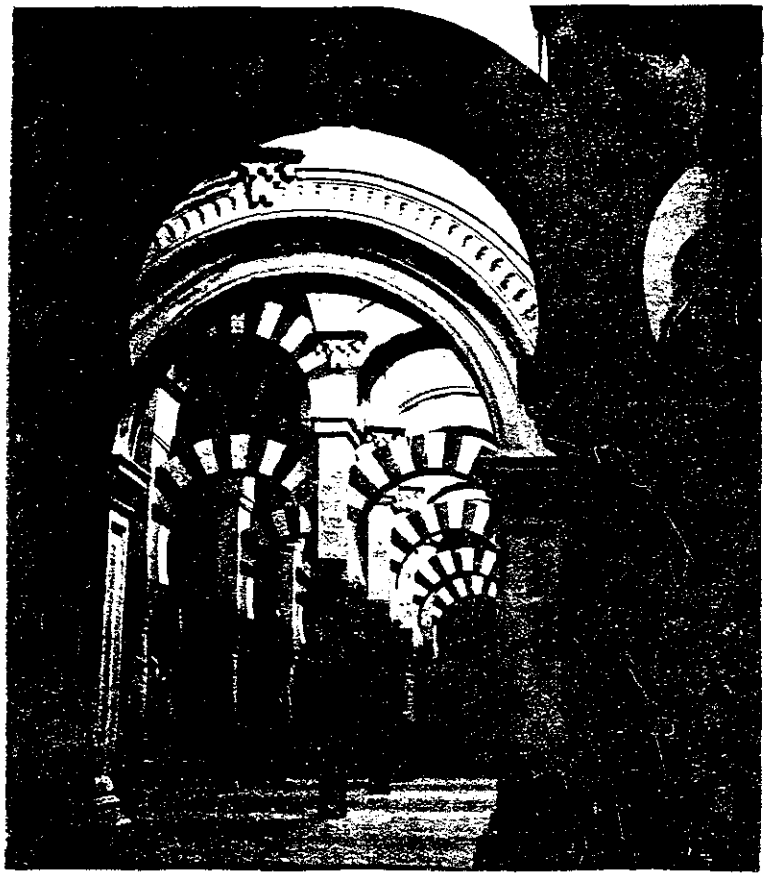

مسجد قرطبه

سے دونون طرف کثرت سے متوازی راستے بن گئے تھے ۔ ان ستونون پر نہایت پر تکلف
نعل اسپی محرابین قائم تھین ۔ چھت زمین سے تیس فٹ اونچی تھی جس کے سبب صاف
ہوا اور کافی روشنی مسجد مین داخل ہوتی تھی ۔

ابتدا مین مسجد کے نو دروازے تھے ۔ بعد مین ان کی تعداد ۲۱ تک پہنچ گئی
تھی ۔ ۹ دروازے مشرق کی جانب تھے اور ۹ مغرب کی جانب ۔ ان مین ہر طرف آٹھ
آٹھ دروازے مردون کے لئے مخصوص تھے اور ایک ایک دروازہ عورتون کے لئے ۔ شمال مین
تین دروازے تھے ۔ جنوب کی طرف خلیفہ کے داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ تھا ۔ ان
دروازون پر نہایت خوبصورت بیل بوٹے بنائے گئے تھے ۔ پیتل کا کام زیادہ تھا جو سورج
کی روشنی مین بہت چمکتا تھا ۔

مسجد کے ستونون کی تعداد ایک ہزار دو سو ترانوے (۱۲۹۳) تھی ۔ یہ مختلف
رنگون مین تھے ۔ سپید بھی سیاہ بھی نیلگون بھی ۔ یہ ستون سنگ سماق ، سنگ رخام
اور زبرجد سے بنوائے گئے تھے ۔ ان مین ایک گنبد ھک کا بھی بنا ہوا تھا ۔ ان پر سونے
کی میناکاری اور جواہرات کی پچی کاری کی گئی تھی جو نہایت دلکش اور دیدہ زیب تھی
یہ تمام ستون یون نظر آتے تھے جیسے دیودار کے درخت ہون یا کوئی دلفریب نخلستان
ہو جس مین ہزارہا کھجورون کے درخت کھڑے ہون جن کے سیدھے تنون اور ژولیدہ شاخون
کو کسی نے اسنے سحر سے یک لخت پتھر کا بنا دیا ہو ۔

ان قطار در قطار ستونون کے متعلق اقبال نے خوب کہا ہے

" شام کے صحرا مین ہو جیسے ہجو نخیل "

سنگ مرمر سنگ رخام سنگ موسی سنگ سرخ مسجد کے چپہ چپہ کی زینت تھا ۔ اس کے

وہ مسجد کے فرش مین بھی سنگ موسی سنگ مرمر اور سنگ رخام کا استعمال ہوا تھا ۔ ہر بادشاہ کا خزانہ مسجد کی تعمیر کے لئے کھلا رہا ۔ اس پر بے شمار روپیہ صرف ہوا ۔ ایک اندازے کے مطابق دو سو تیس (۲۳۰) سال مین تقریباً پندرہ لاکھ اشرفی اس مسجد پر خرچ ہوئی ۔

مسجد قرطبہ کی یون تو ہر چیز ہی بے حد خوبصورت تھی لیکن اس کے منبر و محراب اپنی مثال آپ تھے ۔ محراب سنگ مرمر کی صرف ایک سل بنائی گئی تھی ۔ پندرہ فٹ کی یہ سل کی بہت بڑے ٹکڑے سے کچھ اس طرح کاٹی گئی تھی کہ اس مین جب طرح طرح کے نقش و نگار اور مناظر بنائے گئے تو اس کی مضبوطی مین کوئی کمی نہ ہوئی ۔ محراب کی چھت چار خونون پر کھڑی تھی جن مین دو سبز رنگ کے تھے اور دو لاجوردی ۔ یہ محراب اپنی صنعت و کاری گری کے اعتبار سے لاجواب سمجھی گئی ہے ۔ اس کے متعلق اسکات لکھتا ہے :

" مسجد قرطبہ کی محراب ممالک اسلامی اور غیر اسلامی مین اپنی جزئیات و خاکہ کے لحاظ سے بے مثال ہے کہین بھی ایسی کوئی دوسری چیز نہ بن سکی " [1]

بنایا گیا تھا
محراب مین ہی ایک طرف وہ منبر تھا جو خوشبودار اور قیمتی لکڑیون کے چھتیس ہزار ٹکڑون سے جوڑنے کے لئے سونے اور چاندی کے کیل لگائے گئے تھے ۔ یہ منبر آٹھ کاریگرون نے مل کر سات سال مین مکمل کیا تھا ۔ اس کی مزید آرائش کے لئے اس مین جواہرات جڑے گئے تھے ۔

---

[1] اخبار الاندلس جز سوم مصنف ایس پی سکات ترجمہ خلیل الرحمن ص ۶۱۳

مسجد مین فانوسون اور موم بتیون کی اتنی کثرت تھی کہ رات کو بھی دن کا گمان ہوتا تھا ۔ مورخون نے مسجد مین جلنے والے چراغون کی تعداد ساڑھے سات ہزار (۷۵۰۰) سے زیادہ بتائی ہے ۔ سال بھر مین ساڑھے تین من موم اور ۳۰۰ من تیل جلایا جاتا تھا ۔

مسجد مین تین بڑے جھاڑ تھے جن پر بے شمار چراغ روشن ہوتے تھے ۔ محراب مین جو جھاڑ تھا اس پر تقریباً ایک ہزار چراغ ہوتے تھے ۔

مسجد مین ہر روز لوبان عود اور عنبر جلایا جاتا تھا ۔ مسجد کے انتظام اور صفائی وغیرہ پر تقریباً ایک سو پچپن آدمی مقرر تھے ۔

۱۲۳۶ء مین جب فرڈی ننڈ شاہ ہشتالیہ نے قرطبہ فتح کرلیا تو اس کے حکم سے مسجد کے بہت سے خوبصورت ستون جالیاں اور محرابین توڑ ڈالی گئین اور مسجد مین جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے گرجے بنا دئیے گئے ۔ اس کی تباہی کا افسوس غیرون کو بھی ہوا تھا ۔ فرانس نے جب اسپین پر قبضہ کرلیا اور ۱۵۲۶ء مین چارلس پنجم مسجد کو دیکھنے آیا تو اس نے اسقف اعظم سے کہا

" افسوس ہے جو چیز تم نے یہان بنائی ہے وہ دوسری جگہ بھی بن سکتی تھی مگر جس چیز کو تم نے بگاڑا ہے اس کی مثل کبھی تیار نہ ہوسکے گی " [۱]

جامعہ قرطبہ اگر فن تعمیر کا شاہکار ہے تو اقبال کی نظم " مسجد قرطبہ " فن شعر کا شاہکار ہے

---

[۱] " مسلمان یورپ مین " مؤلفہ احسان الحق سلیمانی ص ۲۲۳

جامع قرطبہ کی تعمیر مین رنگا رنگ پتھرون اور گوناگون جواہرات سے کام لیاگیا ہے ۔ اسی طرح اقبال کی مسجد قرطبہ بھی متنوع خیالات و موضوعات پر مشتمل ہے ۔ شاعر کے تخیل نے ان متنوع مضامین کو بڑی خوبی سے ایک لڑی مین پرویا ہے ۔ اس کے سوز وگداز اور خلوص کی بدولت یہ سیاسی سماجی اور تاریخی موضوعات ایک حقیقت بن کر ہمارے سامنے آجاتے ہین ۔ اس نظم مین "زمانے کی حقیقت اور کارجہان کی بے ثباتی ۔ عشق کی صفات ۔ مسجد قرطبہ سے خطاب ۔ مسجد کی شان و شوکت کا ذکر ۔ مرد مومن کا تصور ۔ عربون کی فتوحات اور بیان عظمت رفتہ ۔ یورپ کے انقلابات اور مسلمانون کی نشاۃ ثانیہ کی طرف اشارہ بلکہ پیش گوئی یہ سب کچھ ہے" ۔ [1]

اقبال مسلم ھسپانیہ کے ماضی پر نظر دوڑاتا ہے ۔ اسے مسجد کی شان و شوکت مین ایک سنہرے تمدن کی جھلک نظر آتی ہے ۔ تاریخ کی یہ جھلک بالآخر اسکے ذہن مین زمانے کے متعلق طرح طرح کے خیالات داخل کر دیتی ہے ۔ زمانے کے بارے مین اقبال نے اکثر اپنی نظمون مین اظہار خیال کیا ہے ۔ اس کے علاوہ خطبات تشکیل جدید الہیات اسلامیہ مین ایک مستقل باب بھی اس پر لکھا ہے ۔ ان کے سارے فلسفۂ زمان کا نچوڑ اس نظم کے ابتدائی بند مین آگیا ہے ۔ نظم کی ابتدا زمانے کی کار فرمائی پر تبصرے سے ہوتی ہے

---

[1] نگار ۱۹۶۲ اقبال نمبر حصہ اول ص ۱۵

شاعر سوچتا ہے کہ اس عالم کے تمام حادثات اور خود حیات و ممات زمانے کی حرکت کے مرہون منت ہیں ۔ یہ ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ہے جو جاری و ساری ہے ۔ زمانہ اقبال کے نزدیک ایک ذریعۂ اظہار ہے جس سے ذات ایزدی اپنے صفات جلال و جمال کی جلوہ گری کرتی ہے ۔ چنانچہ اقبال کی رائے میں " خدا بھی ایک حرکی قوت ہے " [1]

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلہ روز شب اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب تار حریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

برگسان کے اس نظریے سے اقبال پوری طرح متفق ہیں کہ حرکی نظام ہی کی بدولت یہ سارے حادثات وقوع پذیر ہوئے ہیں لیکن برگسان کی طرح وہ دہریت کا شکار نہیں ہوئے بلکہ مذہبی اور روحانی اساس زندگی کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی کے حرکی تصور کے مبلغ بن جاتے ہیں ۔

اقبال نے یہاں زمانہ کو جبر کی حیثیت دی ہے جو کچھ نہیں دیکھتا بس اس کا کام فنا کر دینا ہے ۔ وہ تعمیر کو تخریب میں بدل دیتا ہے کبھی تخریب کو تعمیر میں استعمال کرتا ہے لیکن وہ اس تعمیر و تخریب سے بے نیاز بھی ہے ۔ ہم سب اس زمانے کی شدید گرفت

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ سید نذیر نیازی ص ـــــ

مین اسیر ہین ۔ ازل سے ابد تک جو سلسلہ ہے اس مین زندگی کے شب و روز بے حقیقت ہین ۔ اسکے ہمگیر اثر کا یہ عالم ہے کہ قوم و سلطنت تہذیب و تمدن شخصیت اور آمریت حتی کہ مادہ بھی اس کی دست برد سے محفوظ نہین ۔ دنیا کی عظیم سلطنتین عظیم قوت کی مالک قومین ، مذہب ، فن و ہنر کے بہترین اور عجیب و غریب نمونے سب اس کی بھینٹ چڑھ جاتے ہین ۔

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر

کار جہان بے ثبات ! کار جہان بے ثبات !

اوّل و آخر فنا ، باطن و ظاہر فنا

نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

اقبال اس سے آگے نہین بڑھ سکتے تھے ۔ چنانچہ یہان انہون نے جبر کو اختیار مین تبدیل کرنے کا ذریعہ عشق کو بنایا ہے اور جو اس نظم کا دوسرا اہم موضوع ہے ۔ اگرچہ ہر چیز کو فنا ہے اور اس خیال سے ایک قسم کی مایوسی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے لیکن اقبال اس عالم گزران کے فانی عناصر مین سے ایک بقائے دوام عنصر کو ڈھونڈ لیتے ہین اور وہ عشق ہے

ہے مگر اس نقش مین رنگ ثبات دوام

جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

اقبال نے اس بند مین عشق کی کئی تفسیرین بیان کی ہین ۔ "عشق اس فطری

میلان بقا اور ارتقاء کا نام ہے جو قلب انسانی ہی میں نہیں بلکہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں موجود ہے جس طرح زمانہ فنا کا نام ہے اس طرح عشق بقا کا نام ہے اور وہ ایک اٹل اور محکم ارادے کے ساتھ زمانے کا مقابلہ کرتا ہے

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود ایک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

" اقبال کے نزدیک عشق ایک ایسی فعال ، حیات آفریں اور ولولہ خیز قوت ہے جو افراد اور قوموں کے اندر زندگی کے اعلیٰ نصب العین کی تڑپ اور اسے حاصل کرنے کی لگن کے پنجے میں پیدا ہوتی ہے " [1]

اس نصب العین کے فیضان سے عشق مقصد و منزل بھی بن جاتا ہے ۔ اور یہی عشق اس منزل کی طرف بڑھنے کے لئے راہ کے موانع و مزاحم سے برسرپیکار ہونے اور ان پر قابو پانے کا ذریعہ بھی بتاتا ہے ۔ عشق ایک مقصد بھی ہے اور ذریعہ بھی ۔ تصوّف کی عام مروجہ اصطلاح (عشق) جو انسان کو زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی کی ترغیب دیتا ہے اس کا اس تصوّر سے کوئی علاقہ نہیں بلکہ وہ اس رزم گاہ حیات میں کود پڑنے اور کائنات کی مزاحم قوتوں کو اپنے قوت بازو سے تسخیر کرنے کی دعوت دیتا ہے ۔ اس عشق کے مظاہر بے شمار ہیں :

عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

---

[1]

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک

عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

عشق فقیہہ حرم عشق امیر جنود

عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزارون مقام

اور اقبال کو مسجد قرطبہ کا وجود بھی عشق کی بدولت نظر آجاتا ہے جو اس دنیا میں ایک نقش دوام کی طرح ثبت ہے۔ اگرچہ زمانے نے لاکھون کروٹین بدلین لیکن عشق کی بنا پر وجود میں آنے والا نقش اب تک برقرار ہے ۔

اے حرم قرطبہ ! عشق سے تیرا وجود

عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

عشق کے بعد اقبال کا تیسرا اہم موضوع فن ہے۔ فن میں مصوری تعمیر ، موسیقی ، شاعری اور خطاطی سب آجاتے ہیں اور ان فنون کے اتم نقوش کے لئے جذبہ عشق بہت ضروری ہے ۔ جذبۂ عشق کے خلوص و شدت کے اظہار کے لئے اقبال "خون جگر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں ۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ و چنگ ہو یا حرف و صوت

معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود !

خون جگر کی اصطلاح کے متعلق عزیز احمد لکھتے ہیں :

" خون جگر کی اصطلاح میں فنکار کے تخلیقی جذبے کی پوری کلیت شامل ہے ..... خون جگر عشق کا وہ حاصل ہے جس سے انسان فنون تخلیق کرتا ہے ۔ اس خون جگر سے فن کار مادی اور غیر مرئی

اشیا میں جان ڈال دیتا ہے۔ ان کو ایک طرح کی زندگی اور بڑی جوشیلی سوز و ساز کی زندگی بخشتا ہے " [1]

قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صدا سوز و سرور و سرود

گویا خون جگر فنکار کی شخصیت کے خلوص اور حقیقی جذبے کا دوسرا نام ہے۔ خلوص اور سچائی کسی فن پارے کو ابدیت کا مقام عطا کرتی ہے۔ " معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود " کا قول صرف فنون پر ہی حاوی نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشے سے تعلق رکھتا ہے۔ خون جگر ہی کی بدولت زندگی کے سارے نقوش جو فانی ہیں بقائے دوام حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد اقبال نے مرد مومن کا تصور پیش کیا ہے۔ یہ بھی اقبال کے فلسفہ کا ایک بنیادی رکن ہے۔ جس کی تفسیر اس نے اپنی شاعری میں جا بجا کی ہے۔ جس انسان میں خودی، عشق اور فقر کی خصوصیات پیدا ہو جائیں وہ مرد کامل یا مرد مومن ہے۔ اقبال کے اس مرد مومن کی تعریف بقول جناب یوسف سحرزئی یہ ہے

" اقبال کا انسان کامل در حقیقت ایک ایسی بلند قامت شخصیت ہے جس میں مادی اور روحانی ترقی کا ارتقاء مکمل ہوتا ہے اور جس میں اخلاقی اقدار کی بصیرت افروز آمیزش بھی نظر آتی ہے۔ وہ روح اور جسم کی دوئی کا قائل نہیں بلکہ ان کی تفریق کو غلط سمجھتا

---

[1] اقبال کا تصور فن رسالہ " اردو " جولائی ۱۹۳۹ء

ہے اس میں جسمانی ارتقا کے بعد شعوری اور روحانی ارتقا بتدریج ظہور میں آتا ہے یعنی وہ اسلام کی بہترین اقدار کا نچوڑ ہے۔ اس کے ارتقاء کے مقامات اقبال نے کمال فن سے متعین کئے ہیں اور اس کو زیادہ سے زیادہ سنوار کر اس مقام تک پہنچا یا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی خام خیالی اس کو نہیں پا سکی اور اسے ایک مثالی تصور کہہ کر چھوڑ دیا ہے" [1]

رسول اکرم اقبال کے اس مرد مومن کی بہترین مثال ہیں۔ مرد مومن جلال و جمال کا مرکب ہوتا ہے چنانچہ اقبال مسجد قرطبہ کو خطاب کر کے کہتے ہیں

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

جب انسان اپنی خودی کو بلند کرتے ہوئے اس مقام پر لے آتا ہے کہ وہ اس کائنات میں خلیفۃ اللہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے تو اس کے اندر خدائی صفات کے پرتو پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ خدا کی ذات میں گم نہیں ہوتا

عاشق ہے اللہ کا بندۂ مومن کا عاشق
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز
خاکی و نوری کی نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہان سے غنی اس کا دل بے نیاز

---

[1] مقالہ اقبال کا انسان کامل از جناب یوسف سحر مشمولہ خیابان اقبال (مجلہ پشاور یونیورسٹی ص ۹۰)

زمان، عشق ، فن ، مرد مومن ان سب تصورات کے بعد اقبال کو پھر مسجد قرطبہ یاد آجاتی ہے اور ساتھ ہی ہسپانیہ کی ساری تاریخ ان کی نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے ۔ پہلے مسجد کی تعریف کرتے ہیں :

کعبۂ ارباب فن ، سطوت دین مبین
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمین
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں

اسلامی تاریخ کا موضوع اگرچہ نہایت وسیع ہے ، لیکن اقبال نے نہایت اختصار کے ساتھ اسے چھ شعروں میں سمو دیا ہے اور ان شعروں میں عرب مسلمانوں کی ساری تاریخ نظر آتی ہے ۔ پہلے شعر میں آہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں عربوں کے حسرتناک انجام کی ساری داستان چھپی ہے ۔

آہ ! وہ مرد ان حق ، وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں !

ہسپانوی مسلمانوں نے جو اثر مغرب اور مشرق کی تہذیب و تمدن علم و حکمت اور دوسرے فنون پر ڈالا اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں

جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خبود راہ بیں

ہسپانیہ کی تاریخ کا آخری پہلو یہ تھا کہ عربوں کے اثرات آج بھی ہسپانوی باشندوں کے خدوخال میں نظر آتے ہیں ۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اور پھر

دیدہ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ ! کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

اس نظم کا ایک اور موضوع یورپ کے انقلابات اور تحریکات ہیں ۔ اقبال نے باری باری سب کا ذکر کیا ہے

دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا غربیوں کا جہاں
ملت روسی نژاد اوکھنہ پرستی سے پیر
لذت تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں

اقبال کو ان انقلابات کا ذکر اس لئے کرنا پڑا کیونکہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اسی طرح مسلمان بھی ایک نئے انقلاب کی کشمکش میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے آج عالم اسلام شدید اضطراب سے دوچار ہے

روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

اس نظم کا آخری اہم موضوع مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا زمانہ ہے ۔ اگرچہ اقبال نے اس کے بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہا لیکن اس کی پیش گوئی ضرور کی ہے۔

آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

اس کے علاوہ اس نظم میں بعض ضمنی موضوعات بھی ہیں ۔ مثلاً یہ کہ زندگی کے لئے انقلاب کی کیا اہمیت ہے

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح اُمم کی حیات کشمکش انقلاب

کون سی قوم دنیامین قیادت کا منصب حاصل کرتی هے

صورت شمشیر هے دست قضا مین وه قوم
کرتی هے جو هر زمان اپنے عمل کا حســــــاب

اس نظم کے تمام موضوعات ایک تسلسل کے ساتھ اسی طرح آتے هین که همین کوئی بات بے محل یا نا مناسب معلوم نهین هوتی ۔ کیونکه ان سب خیالات و موضوعات مین ایک داخلی ربط موجود هے ۔ لهذا ان کی ترتیب مین مکمل حسن تناسب پا یا جاتا هے ۔

اس طرح مسجد قرطبه مین تنوع موضوعات کے ساتھ وه هم آهنگی ، حسن ترتیب اور تناسب بھی هے جن سے ایک فن پاره فنی تکمیل کے مدارج طے کر کے لا زوال بن جاتا هے ۔

اقبال نے اس نظم مین اپنے خلوص جذبات اور اعلی تخیل کا کامیاب مظاهره کیا هے اور اسے حد کمال تک پهنچا دیا هے ۔ جذبات کی اهمیت کو اقبال بھی جانتے هین :

" شاعری کی جان تو شاعر کے جذبات هین ۔ جذبات انسانی اور کیفیات قلبی اللّٰه کی دین هے ۔ هلن یه ضرور هے که طبع موزون اس کے ادا کرنے کے لئے پر اثر الفاظ کی تلاش کرے " [1]

هسپانیه کے متعلق اقبال کے پر خلوص جذبات اور پھر اس ماحول کے اثرات نے ان سے وه شه پاره تخلیق کرا یا جسے تمام نقاد متفقه طور پر اردو ادب کا بهترین شاهکار تسلیم کرتے هین ۔ یهان مناسب معلوم هوتا هے که اس عظیم نظم کے بارے مین چند آراء درج کر دی جائین ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے هین :

---

[1] اقبال نامه حصه اول ص ـــــ

" مسجد قرطبہ جدید اردو ادب کا شاہکار ہے اس مین شاعر نے ایمائی اثرآفرینی سے ایک طلسم سا پیدا کر دیا ہے ۔ اس مین آرٹ ، تاریخ اور فلسفہ ایسے خوش اسلوبی سے سموئے ہین کہ انسان ذہن لطف اندوز ہوتا ہے اور داد دیتا ہے " [1]

مجتبی حسین کہتے ہین :

" یہ نظم نہ صرف اقبال کی نظمون بلکہ اردو کی دوسری بلند پایہ نظمون مین ایک انفرادی شان رکھتی ہے " [2]

یہ نظم موضوع کے لحاظ سے مذہبی و ملّی رنگ مین ڈوبی ہوئی ہے ۔ اس لئے جب کوئی غیر مسلم اس نظم کے بارے مین کچھ کہتا ہے تو اس کی رائے زیادہ وقیع اور قابل قدر سمجھی جائے گی ۔ اردو کے مشہور شاعر جگن ناتھ آزاد اپنے ایک مقالے مین لکھتے ہین :

" یہ نظم صرف اقبال ہی کا شاہکار نہین بلکہ اردو شاعری کا شاہکار ہے ۔ اردو شاعری مین اس نظم کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا تو بھی ہماری شاعری دنیا کی صف اوّل کی شاعری مین ایک ممتاز مقام حاصل کر سکتی تھی مسجد قرطبہ ، شعریت ، رومانیت ، حقیقت پسندی رمزیت اور ایمائیت کا ایک حسین امتزاج ہے کہ ہماری ساری اردو شاعری روز اوّل سے آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے " [3]

---

[1] شرح بال جبریل مؤلفہ یوسف سلیم چشتی ......

[2] ادب دائمی ص۱۰۸

[3] نگار اقبال نمبر ۱۹۶۲ ص۱۷

اسی طرح محمد عطا اکرب صدیقی کا قول ہے :

" مسجد قرطبہ اقبال کے شعری کارنامون مین شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے ۔ افکار عالیہ کو شعریت کے حسین جامے مین کچھ اس طرح ملبوس کیا ہے کہ قامت ولباس مین ایک ناگزیر تناسب قائم ہوگیا ہے ..... مسجد قرطبہ ایک ایسی دوآتشہ ہے جس مین کیف و رنگ دونون مین خیالات مصوری رنگ اختیار کرلیتے ہین ۔ فکر کی بلندی ، خیالات کی وسعت جذبات کی شدت اندازکی رعنائی یہ سب کسی شاعر کے یہان بیک وقت نظر نہین آتے " [1]

علامہ نیاز فتح پوری فرماتے ہین :

" تاہم مجھے اس کے بعض پہلے شاہکار چننے کا خیال ضرور پیدا ہوا جو اس کے تمام اردو منظومات مین گل سرسید کی حیثیت رکھتے ہون اور اس جستجو مین آخرکار میری نگاہ مسجد قرطبہ اور ذوق و شوق پر پڑی جو حقیقتاً اقبال کو زندہ وجاوید بنا دینے کے لئے کافی ہین کیونکہ اقبال نے جو کچھ لکھا وہ اپنی نظمون کی شان نزولی تھی اور جو نظمین مسجد مین لکھین وہ انہین کی تفسیر ہین ۔ اقبال کا فلسفہ اس کا پیام اس کے جذبات کا جوش و خروش اور اس کے محاسن شعری الغرض سب کچھ انہی دو نظمون مین سمٹ آیا ہے " [2]

---

[1] مسجد قرطبہ کی شاعرانہ عظمت ماہ نو اپریل ۱۹۵۳ء

[2] نیاز فتح پوری نگار ۱۹۶۲ء اقبال نمبر

اس کی ایک وجہ تو نظم کا فکری پہلو اس کا تنوع مضامین ہے ۔ لیکن صرف اس سے تو کوئی فن پارہ اعلیٰ نہیں کہلا سکتا ۔ اس کے لئے کچھ اور چیزوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے ان میں سے ہم یہاں پہلے نظم کی ترکیبی وحدت کو لیتے ہیں ۔

پوری نظم وحدت کی ایک مثال ہے ۔ ہر بند بلکہ ہر شعر زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہے ۔ کوئی شعر ایسا نہیں کہ اگر اس کو خارج کر دیں یا بدل دیں تو پوری نظم کی وحدت پر اثر نہ پڑتا ہو ۔ اسی ترکیبی وحدت کا یہ اثر ہے کہ نظم کو پڑھتے وقت قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعر نے اس کے ذہن کو دوسرے شعر کے حوالے کر دیا ہے اور اسی طرح دوسرے نے تیسرے کے حوالے ۔ کوئی شعر بھی بھرتی کا نہیں بلکہ نظم کا ایک اہم کردار ضروری جزو معلوم ہوتا ہے ۔ ہر شعر نظم کے ارتقا میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ نظم کی فکری حیثیت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ نظم کی اس حیوت انگیز تعمیری وحدت کے بارے میں مجتبیٰ حسین کا یہ قول بالکل درست ہے :

" اس نظم کی فنی صناعی اور فکری تعمیر کو اقبال نے خود مسجد قرطبہ کی صناعی اور حسن تعمیر سے جس طرح ہم آہنگ کر دیا ہے وہ ہمارے ادب میں موضوع اور فکر کے داخلی اور خارجی ارتباط کی کمیاب مثال ہے " [1]

اقبال ایک مقصدی شاعر ہے اور اقبال کے ہاں بعض اوقات مقصدیت شاعری پر غالب آ جاتی ہے لیکن مسجد قرطبہ میں مقصدیت کے باوجود میں شاعری کے تمام فنی محاسن نظر آتے ہیں ۔ اس نکتے کو وضاحت کے لئے مثال پیش کرنے کی ضرورت نہیں ۔ نظم کا ہر بند فکری عظمت

---

[1] ادب و آگہی مصنف مجتبیٰ حسین ص ۲۰۰

اور فنی هنرمندی کا بہترین نمونہ ہے۔

شعری کارنامے کی تخلیق وتکمیل کے لئے جذبات بہت ہی اہمیت رکھتے ہیں لیکن ایک عظیم فن کار اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اس سلیقے سے انہیں الفاظ کا جامہ پہناتا ہے کہ جذبے کی شدت فن پارے کی حسن اور فنی حیثیت کو نقصان نہ پہنچائے۔ چنانچہ اقبال نے ایسی هنرمندی کے ساتھ اپنے جذبات کو مناسب الفاظ میں ادا کیا ہے کہ نہ تو نظم کی موزونیت میں کوئی فرق پڑا اور نہ جذبات کی شدت میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے عطاء الرب صدیقی لکھتے ہیں

" مسجد قرطبہ میں جذبات شدید ہیں لیکن یہ تیزی یہ شدت موج نہ آب کی سی ہے ۔ اندر ہی تخیلات اور جذبات کے تیز دھارے چل رہے ہیں ۔ آپس میں ٹکراتے ہیں اور شور پیدا کرتے ہیں ۔ رستا خیز کا عالم ہے لیکن سطح پر چھوٹی چھوٹی لہریں ہیں ۔ ان میں وہ روان نہ ہے لیکن سمع خراشی کی حد تک شور کناں نہیں یا اس کی مثال پھر اس گلخن سے دی جا سکتی ہے جہاں تہہ میں شعلے ہیں گرم ۔ انتہائی گرم ـــــ جسم کی ہرودت کو آسانی سے نہ زائل کر دینے والے لیکن ان کی لہروں کے اوپر سطح پر وہ سرپوش ہے جو آنکھوں کی روشنی اور بینائی کے لئے تکلیف دہ نہیں " [1]

ان شدید جذبات کے باوجود اس نظم میں سنجیدگی ہے ۔ ایک ٹھہراؤ ایک سنبھلا ہوا انداز ہے ۔ درحقیقت نظم کا موضوع بھی سنجیدگی کا متقاضی تھا لیکن اس سنجیدگی میں بھی

---

[1] مسجد قرطبہ کی شاعرانہ عظمت عطاء الرب صدیقی ماہ نو اپریل ۱۹۵۳ء ص ۳۰

حسن ہے ۔ فن ہے اور رنگینی ہے ۔ اقبال جو کچھ کہتا ہے وہ تمام کا تمام شعریت میں رچا ہوتا ہے ۔ اس طرح مسجد قرطبہ میں "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی" کے دو متضاد دبستانوں کی خصوصیات اور دو مختلف طبقوں کے ذوق کی تسکین کا سامان موجود ہے ۔

جذبات اور تخیل کے بعد کسی فن پارے کے عظیم بننے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ الفاظ کا انتخاب ہے ۔ اگرچہ نقادوں کا ایک طبقہ اظہار و بیان کو اولیت دیتا ہے لیکن صرف حسن بیان سے کوئی فن پارہ فن کی اعلیٰ بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا جب تک حسین اور موزوں الفاظ کے ساتھ اعلیٰ اور حقیقی جذبات اور تخیل کی سحر آفرینی بھی شامل نہ ہو ۔ مسجد قرطبہ میں یہ دونوں چیزیں بدرجۂ اتم موجود ہیں اور اس ہم آہنگی کے ساتھ کہ ان میں امتیاز باقی نہیں رہتا ۔ یوں کہنا چاہئیے کہ جذبات تخیل اور حسن بیان کا اعلیٰ ترین امتزاج مسجد قرطبہ میں ظہور پذیر ہے ۔ جس طرح بانی مسجد عبدالرحمن الداخل اور اس کے بعد دوسرے اموی بادشاہوں کی سچی عقیدت اور خلوص جذبات نے مسجد قرطبہ کے لئے اعلیٰ ترین مسالہ اور بیش قیمت تعمیراتی اور آرائشی سامان دور دور سے منگوایا جو مسجد کی تعمیر و تزئین میں صرف ہوا ۔ بعینہ اقبال نے بھی اس نظم میں الفاظ و تراکیب کے انتخاب و ترتیب اور معانی و اصوات کی ہم آہنگی سے شاعری کا جادو جگایا ہے اور مسجد قرطبہ کو لفظی و معنوی محاسن کا مرقع بنا دیا ہے ۔

ایجاز و اختصار شاعری کا سب سے بڑا حسن ہے اور یہ خوبی بھی اقبال کے کلام میں عام طور پر موجود ہے لیکن اس نظم میں ایجاز و اختصار کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو شاید ادب اور کہیں نظر نہ آئیں ۔ مثلاً ایک جگہ یورپ کی صدیوں کی تاریخ صرف چند شعروں

مین اس طرح سمودی ہے :

دیکھ چکا المنی بھی شورش اصلاح دین
جس نے نہ چھوڑے کہین نقش کہن کے نشان
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اورہوئی فکر کی کشتی نازک روان
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگون ہوا مغربیون کا جہـــــان
ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جوان

بلاغت اور اختصار کی یہ مثال دیکھئے جس مین مرد مومن کی تمام صفات کی کس قدر عمدہ تصویر کشی کی ہے ۔

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق مین گرمئ محفل ہے وہ

موسیقیت اور خوش آہنگی اس نظم کی جان ہے ۔ باوجود یکہ اس نظم مین بعض سنجیدہ اور خشک مسائل (مثلاً حقیقت زمان) کو بیان کیا ہے ۔ لیکن نظم کی روانی اور ترنم مین کہین فرق نہین آیا ۔ مسجد قرطبہ کا ابتدائی بند ملاحظہ ہو کہ کس طرح الفاظ و اصوات کی تکرار اندرونی قوافی اور خوش آہنگ الفاظ کی ترکیب سے اقبال نے فلسفہ کو شعریت اور نغمگی کے

سانچے میں ڈھال دیا ہے۔

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلۂ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب ساز ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلۂ روز و شب صیرفی کائنات

اس نظم کے لئے اقبال نے جو بحر اختیار کی ہے (بحر منسرح مثمن مطوی موقوف و مکسوف مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات) وہ بھی بڑی مترنم اور افغان و خزاں بحر ہے۔ اس بحر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصرعے دو دو متوازن ٹکڑوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں۔ اقبال نے بحر کی اس خصوصیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور مصرعوں کی ترتیب میں ایسے موزوں الفاظ و تراکیب سے کام لیا ہے کہ ہر مصرعہ دو مکمل و متوازن اکائیوں میں منقسم ہوگیا ہے۔

تغزل اقبال کے اسلوب کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ لیکن اقبال کی ان نظموں میں تغزل کا رچاؤ ہمیں بھرپور انداز میں ملتا ہے جو ترکیب بند ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ مسجد قرطبہ بھی ترکیب بند ہیئت میں ہے۔ نظم کا ہر بند اپنے داخلی ربط و تسلسل کے باوجود غزل نما ہے۔ موسیقیت اور ایمائیت نے تغزل کے رنگ کو اور چمکا دیا ہے۔

مسجد قرطبہ کے یہ اشعار تغزل کی عمدہ مثال ہین :

جن کے لہوکے طفیل آج بھی ہین اندلسی
خوش دل وگرم اختلاط سادہ وروش میـــــن
آج بھی اس دیس مین عام ہے چشم غـــــزال
اور نگاہون کے تیر آج بھی ہین دل نشیـــــن

اور

سادہ وپر سوز ہے دختر دہقان کا گیت
کشتی دل کے لئے سیل ہے عہـد شباب

اقبال نے اس نظم مین رمز وایما سے بہت کام لیا ہے اور یہ رموز علامت اتنے سادہ اور احسن طریق سے استعمال کی گئی ہین کہ ہمین شاعر کو بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے

عشق دم جبریل عشق دم مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلا م
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرم عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزارون مقام

اور اس شعر مین رمزیت کی فسون کاری سے تصورات کی ایک دنیا آباد ہے :

کون سی وادی مین کون سی منزل مین ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جـــــــان

نظم کے آخری بند کے آغاز میں شاعر نے ایک حسین ماحول کی منظر کشی اس خوبی کے ساتھ کی ہے کہ قاری بھی شاعر کے ساتھ اسی ماحول میں پہنچ جاتا ہے اور وہ بھی انہیں جذبات و خیالات سے دوچار ہو جاتا ہے جو اس وقت شاعر کے دل میں موجزن ہیں

" وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل و بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پرسوز ہے دختر دہقاں کا گیت
کشتی دل کے لئے سیل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

مختصر یہ کہ ہسپانیہ کی مسجد قرطبہ کی طرح اقبال کی مسجد قرطبہ بھی جلال و جمال کا حسین امتزاج ہے ۔ چنانچہ جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں :

" اگر کبھی یہ مسجد مجھے دیکھنے کا موقعہ ملا تو شاید اس وقت بھی یہ فیصلہ نہ کر سکوں کہ ہسپانیہ کی مسجد قرطبہ زیادہ جلیل ہے یا بال جبریل کی مسجد قرطبہ" [1]

ان ساری خوبیوں کے علاوہ نظم کا ایک اور اہم عنصر جس نے اسے ایک مکمل شہ پارہ بنا دیا ہے وہ در وگداز سے لبریز شخصیت کا فنکارانہ بیان ہے اور اسی انداز بیان کی وجہ سے اس نظم میں ایسی سادگی ، شیرینی اور گھلاوٹ پیدا ہوگئی ہے جس نے اس کو عظیم

بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے ۔ اس نظم کے آخری شعر میں اقبال نے اگرچہ مسجد قرطبہ کی مثال دی ہے لیکن ہم اس کو اس نظم پر بھی ایک مکمل تبصرہ کہہ سکتے ہیں :

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

---

* منیر *

کنایات

کتابیات

الف : تصانیف اقبال

نمبر شمار	کتاب	مصنف	مرتبہ	ایڈیشن
۱	بانگ درا	اقبال		لاہور ۱۹۶۲ء
۲	اسرار رموز	اقبال		لاہور ۱۹۵۹ء
۳	بال جبریل	اقبال		لاہور ۱۹۶۳ء
۴	ضرب کلیم	اقبال		لاہور ۱۹۶۳ء
۵	سرود رفتہ	اقبال	غلام رسول مہر	لاہور ۱۹۵۶ء
۶	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	اقبال	سید نذیر نیازی مرتب و مترجم	لاہور ۱۹۵۸ء
۷	انوار اقبال	اقبال	بشیر احمد ڈار	کراچی ۱۹۶۷ء
۸	اقبال نامہ حصہ اوّل	اقبال	شیخ عطا اللہ	لاہور ۱۹۵۱ء
۹	حصہ دوم	اقبال	شیخ عطا اللہ	لاہور ۱۹۵۱ء
۱۰	مکتوبات اقبال	اقبال	سید نذیر نیازی	کراچی ۱۹۵۷ء

ب : سیرت و سوانح ، تنقید تاریخ

نمبر شمار	کتاب	مصنف یا مرتب	ایڈیشن
۱۱	روزگار فقیر حصہ اول	فقیر سید وحیدالدین	لاہور ۱۹۶۳ء
۱۲	روزگار فقیر حصہ دوم	فقیر سید وحیدالدین	لاہور ۱۹۶۲ء
۱۳	ملفوظات اقبال	محمود نظامی	لاہور ۱۹۴۱ء

۱۴	آثار اقبال	غلام دستگیر	حیدرآباد دکن ۱۹۴۲ء
۱۵	اقبال	رئیس احمد جعفری	بمبئی طبع اوّل
۱۶	آئینہ اقبال	محمد عبداللہ قریشی	لاہور ۱۹۶۷ء
۱۷	اقبال کے چند جواہر ریزے	عبدالحمید	لاہور ۱۹۴۷ء
۱۸	ذکر اقبال	عبدالمجید سالک	لاہور ۱۹۵۵ء
۱۹	فکر اقبال	غلام دستگیر	کراچی ۱۹۵۶ء
۲۰	تصوّرات اقبال	مولانا صلاح الدین	لاہور ۱۹۶۶ء
۲۱	اسلامی تصوف اور اقبال	ابو سعید نورالدین	کراچی ۱۹۵۶ء
۲۲	مقام اقبال	اشفاق حسین	کراچی ۱۹۴۹ء
۲۳	روح اقبال	یوسف حسین	لاہور ۱۹۴۸ء
۲۴	خیابان اقبال	ظاہر فاروقی و خاطر غزنوی	پشاور ۱۹۶۶ء
۲۵	ادب و آگہی	مجتبیٰ حسین	کراچی ۱۹۶۳ء
۲۶	شرح بال جبریل	یوسف سلیم چشتی	لاہور ۱۹۵۱ء
۲۷	روح اسلام (اقبال کی نظر میں)	ڈاکٹر محمد عمر علی خان	حیدرآباد ۱۹۶۲ء
۲۸	مسدس حالی	الطاف حسین حالی	لاہور ۱۹۴۸ء

ج — سفر نامے و تاریخ ہسپانیہ

۲۹	تاریخ اسپین	سید محمد احمد	علی گڑھ ۱۸۹۸ء
۳۰	سلطان سپین مین	لین پول (حامد علی صدیقی)	لاہور ۱۸۹۲ء
۳۱	سفرنامہ اندلس	قاضی ولی الدین دبیر	لکھنؤ ۱۹۲۷ء
۳۲	اخبارالاندلس جلد اوّل	اسکاٹ (خلیل الرحمٰن)	لاہور ۱۹۲۹ء
	جلد دوم	ایضاً	ایضاً

۳۳	عبرت نامہ اندلس	رائن ہارٹ ڈوزی (عنایت اللہ)	لاہور ۱۹۶۲ء
۳۴	الاحاطہ فی اخبار غرناطہ حصہ دوم	ابن الخطیب سید احمد ندوی	کراچی ۱۹۶۱ء
۳۵	داستان اندلس	عبداللہ اثری	لاہور طبع اول
۳۶	عرب اور اسلام	پروفیسر حتی (مبارزالدین)	دہلی ۱۹۵۴ء
۳۷	تمدن عرب	گستاؤلی بان (سید علی بلگرامی)	لاہور ۱۹۳۶ء
۳۸	تاریخ اسلام	سید امیر علی ۔ حسین رضوی	لاہور ۱۹۶۵ء
۳۹	اندلس (تاریخ و ادب)	ڈاکٹر سید محمد یوسف	لاہور ۱۹۶۵ء
۴۰	قند مغربی	محمد عمر علی خان	کان پور ۱۸۹۸ء
۴۱	الحمرا کی داستانیں	واشنگٹن ارونگ (سردار علی علوی)	طبع اول لاہور
۴۲	ایضاً	ایضاً سید وقار عظیم	
۴۳	ہسپانیہ	ڈورتھی لوڈ (ہاشمی فرید آبادی)	لاہور ۱۹۶۴ء
۴۴	تہذیب و تمدن حصہ دوم	رشید اختر ندوی	لاہور ۱۹۵۲ء
۴۵	اسلامی سلطان یورپ میں	احسان الحق سلیمانی	لاہور ۱۹۵۴ء
۴۶	میراث اسلام	تھامس آرنلڈ (عبدالمجید سالک)	لاہور ۱۹۶۰ء
۴۷	المعتمد بن عباد (عربی)	علی ادھم	مصر طبع اول
۴۸	الملل والنحل حصہ اول	(ابن حزم) محمد عبداللہ عمادی	حیدرآباد دکن ۱۹۴۵ء

۴۸

(د) رسائل و اخبار

۱	اقبال ریویو	کراچی جولائی ۱۹۶۴ء

۲	اقبال	لاهور اکتوبر ۱۹۶۸ء
۳	ادبی دنیا	لاهور اپریل ۱۹۶۰ء
۴	ثقافت	لاهور ستمبر ۱۹۶۷ء
۵	ماہ نو	کراچی اپریل ۱۹۵۳ء
۶	اردو	کراچی جولائی ۱۹۴۹ء
۷	نگار	کراچی اپریل ۱۹۶۲ء

روزنامہ

۸	روزنامہ انقلاب	لاهور ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء
۹	روزنامہ انقلاب	لاهور ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء
۱۰	روزنامہ انقلاب	لاهور ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء
۱۱	روزنامہ انقلاب	لاهور ۱۱ جنوری ۱۹۳۳ء
۱۲	روزنامہ انقلاب	لاهور ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء
۱۳	روزنامہ انقلاب	لاهور ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء
۱۴	روزنامہ انقلاب	لاهور ۹ فروری ۱۹۳۳ء
۱۵	روزنامہ انقلاب	لاهور ۲۶ فروری ۱۹۳۳ء
۱۶	روزنامہ انقلاب	لاهور ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء

English Books

1. Letters and Writings of Iqbal, edited B.A. Dar, Lahore, 1956
2. The Spendaur of moorish Spain by Josef Kaoab, London, 1935
3. Legacy of Islam, edited by Arnald and Guillaume, Oxford, 1931
4. Nicholson Literary history of the Arabs, London, 1907.